Welcome to Misbahi Library
سیرت خلفائے راشدین
از
مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
Published on Net
By : Team of Misbahi Library
ناشر
مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)
۲۷۶۴۰۴

786

Team of Misbahi Library

Names	Contact N
Md Khubaib Raza Misbahi	9984903158
Md Asjad Raza Misbahi	8948518993
Md Ahmad Ali Misbahi	9920278913
Md Abdur Rahman Misbahi	8009186120

Creator :

Md Saif Khan Misbahi
8081414883

Date

22-10-2019 / 22-02-1441

سلسلۂ اشاعت ۵۵

کتاب .... سیرت خلفاے راشدین
مصنف .... مولانا اختر حسین فیضی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ
پروف ریڈنگ .... مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ
کمپوزنگ .... کمپیوٹر سینٹر، الجامعۃ الاشرفیہ،
اشاعت اول ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
صفحات ۱۲۸
تعداد اشاعت ۲۰۰۰
مطبع ....
باہتمام .... مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور
قیمت ....

ملنے کا پتہ

مجلس برکات

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یو پی

MAJLIS-E-BARAKAT

AL-JAMIATUL ASHRAFIA

MUBARAKPUR, AZAMGARH,U.P.276404

Phone: 05462-250092, 250148

فہرست مشمولات

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ۶۶-۸۶

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۸۷-۱۱۰

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۱۱۱-۱۱۵

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ ۱۱۶-۱۲۱

حرف آغاز

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلَاتُہٗ دَوْمًا عَلٰی خَيْرِ الْأَنَامِ مُحَمَّدٍ
وَالْآلِ وَالْأَصْحَابِ هُمْ مَأْوَایَ عِنْدَ شَدَائِدِی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد دینی اور دنیوی امور کی ذمہ داری جن عظیم اور خوش نصیب حضرات کے ذمہ آئی وہ خلفاے راشدین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی جماعت ہے۔ ان کے مبارک عہد میں اسلامی تعلیمات کو خوب فروغ ملا اور اسلامی سلطنت (جس کی بنیاد رسول معظم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ڈالی تھی) کا دائرہ وسیع تر ہوا اور اسی مبارک جماعت کے عہد حکومت نے دنیا کو اسلامی دائرے میں رہ کر کشور کشائی اور جہاں بانی کا شعور بخشا، ان کا طرز حکومت دنیا کے تمام حکمرانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اس لیے ایسی عظیم شخصیات کے حالات و کردار اور افکار و نظریات سے واقفیت ضروری ہے تاکہ ان کی روشنی میں کاروانِ حیات صحیح سمت کی طرف گام زن ہو سکے۔

یہ کتاب جس کا تعلق خلفاے راشدین کی سیرت و سوانح سے ہے تاریخ اسلام کے شائقین خصوصاً طلبۂ مدارس اسلامیہ کے لیے تیار کی گئی ہے، اس کی ترتیب میں اس بات کا بھرپور لحاظ کیا گیا ہے کہ تمام شعبہاے زندگی کا احاطہ کیا جا سکے۔

فرمان رسول کے مطابق خلافت کی مدت متواتر تیس سال ہے جو خلفاے اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہم) کے بعد حضرت امام حسن بن علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی چھ ماہ اور چند ایام کی خلافت پر پوری ہوتی ہے اس لیے آپ کا تذکرہ اس کتاب میں خلیفۂ پنجم کے طور پر کیا گیا ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حکومت چوں کہ طریقۂ نبوی اور اصول خلفاے راشدین کے مطابق تھی جس کی وجہ سے علماے سیر نے آپ کا شمار خلفاے راشدین میں کیا ہے اس لیے ان کے مختصر حالات بھی خلیفۂ ششم کی حیثیت سے بیان کیے گئے ہیں۔

کتاب کو مزید کارآمد اور مفید بنانے کے لیے کتاب میں آئے ہوئے اعلام واماکن کی اعراب کے ساتھ ایک فہرست بھی شامل کی گئی ہے تاکہ آسانی سے صحیح تلفظ کیا جا سکے۔ امید کہ اس خصوصیت کے ساتھ یہ کتاب قارئین کے لیے زیادہ نفع بخش ثابت ہوگی۔

استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی شیخ الجامعہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جس کے ذریعہ ابتدائی طلبہ خلفاے راشدین کے حالات سے روشناس ہو سکیں ساتھ ہی کتاب مختصر اور زبان بہت آسان ہو تاکہ طلبہ آسانی سے ذہن نشیں کر سکیں، ان ہی کی ہدایت پر یہ کتاب لکھی گئی۔ موصوف نے از راہ کرم پوری کتاب از ابتدا تا انتہا پڑھی، اصلاح فرمائی اور مزید مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالی ان کی عمر میں برکت دے اور ان کے فیضان علمی سے ہمیں دیر تک اکتساب کا موقع عنایت فرمائے۔

مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی کی معاونت کا تذکرہ بھی ضروری ہے، انھوں نے پروف ریڈنگ اور فہرست سازی میں بھرپور ساتھ دیا، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والتسلیم۔

اختر حسین فیضی مصباحی

۹ رصفر المظفر ۱۴۲۸ھ جہانا گنج اعظم گڑھ

۲۷ر فروری ۲۰۰۷ء بروز سہ شنبہ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

خلیفۂ اول

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

نام ونسب: نام عبداللہ، لقب عتیق اور کنیت ابو بکر تھی، بقول بعض ایام جاہلیت میں عبدالکعبہ نام تھا، اسلام لانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ تجویز فرمایا۔ آپ نسب کے اعتبار سے قریشی تیمی ہیں۔ شجرۂ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرہ بن کعب بن لُوَیّ قرشی تیمی۔ مرہ بن کعب پر پہنچ کر آپ کا نسب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے[1]۔ عام فیل کے ڈھائی سال بعد آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور وہیں والدین کے زیر سایہ تربیت پائی۔

والدین: والد کا نام عثمان بن عامر تھا، ابوقُحافہ کنیت تھی، آپ مکہ کے معزز لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ابتدا میں مذہب اسلام کے سخت مخالف تھے، فتح مکہ کے بعد جب دین حق کی صداقت واضح ہوئی تو بارگاہ رسول میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت آپ کافی عمر دراز ہو چکے تھے، بینائی رخصت ہو چکی تھی۔ محرم ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر پا کر عہد فاروقی میں انتقال فرمایا۔[2]

والدہ کا نام سلمٰی بنت صخر تھا، کنیت ام الخیر تھی۔ آپ ابو قحافہ کے چچا کی لڑکی تھیں، ابتدائے اسلام میں حلقہ بہ گوش اسلام ہوئیں۔ طویل عمر پائی اور عہد صدیقی میں وفات ہوئی[3]۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لحاظ سے بھی بڑے خوش نصیب تھے کہ آپ کے والدین دولت اسلام سے مالا مال تھے اور اصحاب رسول میں شامل تھے۔

قبل اسلام: ایام جاہلیت میں بھی آپ کا شمار روٴسائے قریش میں ہوتا تھا۔ صحابۂ کرام میں دس آدمی ایسے تھے جو زمانۂ جاہلیت اور عہد اسلام دونوں میں رئیس اور معزز مانے گئے۔ ان میں ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ خوں بہا اور جرمانے کے مقدمات آپ ہی سے متعلق تھے۔ جو اس زمانے میں عظیم منصب تھا۔ کسی قبیلہ میں کوئی قتل ہو جاتا تو اگر وہ کسی کے خوں بہا کی ضمانت کر دیتے تو مقبول ہوتی۔ دوسروں کی نہیں۔[4]

آپ نے ایام جاہلیت میں بھی کبھی شراب نہیں پی، ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے زمانۂ جاہلیت میں شراب پی ہے، آپ نے فرمایا: اللہ کی پناہ، میں شراب کے قریب نہیں گیا۔ سبب پوچھا گیا تو آپ نے بتایا کہ میں اپنی عزت، آبرو اور انسانیت کی

---

[1]: اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج:۳ ص:۳۱۰، مروج الذہب، ج:۲ ص:۲۹۸۔ [2]: الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج:۲ ص:۴۶۱
[3]: الاصابہ، ج:۴، ص:۴۴۸۔ [4]: اسد الغابہ، ج:۳، ص:۳۱۰۔

حفاظت کرتا ہوں، اور شرابی کی عزت و آبرو اور انسانیت جاتی رہتی ہے۔ جب اس کی خبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے فرمایا: ابو بکر نے سچ کہا، ابو بکر نے سچ کہا۔ [۵]

اسلام: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صحن کعبہ میں بیٹھا تھا اور زید بن عَمرو بن نفیل بھی پاس ہی بیٹھا تھا، اُمَیّہ بن ابی صَلْت کا وہاں سے گزر ہوا، اس نے کہا اے طالب خیر کیا حال ہے؟ زید نے کہا خیریت ہے۔ امیہ نے پوچھا کیا تم نے پالیا؟ زید نے کہا نہیں حالانکہ میں نے طلب میں کوتاہی نہیں کی تو امیہ نے یہ شعر پڑھا۔

كُلُ دِينٍ يومَ القِيَامَةِ إلا ما قَضٰى اللهُ وَ الحَنِيفَةُ بُور

یعنی بروز قیامت سارے دین مٹ جائیں گے، صرف دین حنیف (اسلام) باقی رہے گا جس کا اللہ نے فیصلہ فرمادیا ہے۔

اُمَیّہ نے کہا سن لو وہ نبی جس کا انتظار ہے وہ ہم میں سے ہوگا یا تم سے ہوگا، یا اہل فلسطین سے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پہلے یہ نہیں سنا تھا کہ کسی نبی کا انتظار ہو رہا ہے، یا مبعوث ہوں گے، یہ سن کر میں ورقہ بن نوفل کے پاس گیا جو کتبِ آسمانی کے زبردست عالم تھے۔ میں نے ان کے سامنے پوری بات بیان کی، ورقہ نے کہا کہ ہاں بھتیجے! اس بات پر اہل کتاب اور علما متفق ہیں کہ وہ نبی جس کا انتظار ہے وہ عرب کے بہترین نسب میں ہوگا، میں نسب سے واقف ہوں، تمہاری قوم عرب کے بہترین خاندان میں ہے۔ میں نے کہا چچا! وہ کس بات کی تعلیم دیں گے، کہا جو اللہ کا حکم ہوگا اس کی تعلیم دیں گے، اور ظلم کی بات نہیں کریں گے، صدیق اکبر کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔ [۶]

آغاز وحی کے زمانے میں بہ سلسلۂ تجارت حضرت ابو بکر صدیق یمن گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو عَقْبَہ بِن اَبِیْ مُعَیط، شَیْبَہ، رَبِیْعَہ، اَبُوجَھْل، اَبُوالبَخْتَری اور دیگر سرداران قریش ان سے ملنے آئے۔ دوران گفتگو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے متعلق تازہ خبر دریافت کی۔ تو کہا کہ اے ابو بکر! بہت بڑی بات ہوگئی، ابو طالب کا یتیم بچہ مدعیِ نبوت ہے۔ اس کے انسداد کے لیے ہم تمہاری آمد کے منتظر تھے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا۔ انہیں خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کیا اور خود خدمت رسول میں حاضر ہوئے۔ بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی مجلس میں داخل اسلام ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے سامنے میں نے اسلام پیش کیا اس نے اپنے اندر ایک طرح کا تردد محسوس کیا، مگر جب ابو بکر کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے بے جھجک قبول کرلیا۔ [۷]

۵: تاریخ الخلفاء، ص: ۲۴، ۲۵۔ ۶: اسد الغابہ، ج: ۳، ص: ۳۱۱ ۷: اسد الغابہ، ج: ۳، ص: ۳۱۳۔

سب سے پہلے ایمان کی دولت سے کون سرفراز ہوا،اس سلسلے میں بہت سی روایتیں ہیں،ان میں علمانے یوں مطابقت پیش کی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ابو بکر صدیق ہیں، بچوں میں علی مرتضی ، عورتوں میں خدیجۃ الکبری اور آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہ۔

اشاعت اسلام: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً تین برس تک اسلام کی خفیہ تبلیغ کی اس زمانے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی پوشیدہ طور پر خدمت اسلام کرتے رہے، جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ [۸]۔

تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیرلو۔ (کنزالایمان)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ اسلام کی تبلیغ شروع کردی، اس سے مشرکین عرب بری طرح بھڑک اٹھے۔اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ایسی تکلیفیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی جھیلنی پڑیں۔اسلام لانے کے بعد آپ نے اپنی پوری زندگی اشاعت اسلام کے لیے وقف کردی تھی، آپ ہی کی دعوت پر عثمان بن عفان، زبیر بن عوّام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقّاص اور طلحہ بن عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مشرف بہ اسلام ہوئے۔ان کے علاوہ اور بہت سے معززین آپ ہی کی کوشش سے داخل اسلام ہوئے۔

بعثت کے بعد کفار ومشرکین کی ایذارسانی کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ ودعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بے کسی کے عالم میں بھی تمام تر مصیبتیں جھیل کر آپ کے دست وبازو بنے رہے۔

اس پُر خطر دور میں جن لوگوں نے توحید کو گلے لگایا ان میں بیشتر تعداد ان مظلوم غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جنہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے ظالم مالکوں سے خرید کر آزاد کیا تھا۔ان میں حضرت بلال، عامر بن فُہَیرہ، نَذِیرہ، نَہدِیہ، جاریہ اور بنت نہدیہ وغیرہ شامل ہیں۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہن) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کی نشر واشاعت اور دین حق کی تبلیغ میں گزار دی۔

ہجرت حبشہ: قریش کے مظالم سے تنگ آکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔جب مقام بِرکُ الغِمَاد تک پہنچے تو قبیلہ قارّہ کے رئیس ابنِ دُغُنَّہ سے ملاقات ہوگئی، اس نے پوچھا ابو بکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ ابو بکر نے کہا میری قوم نے مجھے شہر بدر کردیا ہے، میں کہیں بھی چلا جاؤں گا، اور اپنے رب کی عبادت کروں گا، ابن دغنہ نے کہا کہ تمہارے جیسا آدمی شہر بدر نہیں کیا جاسکتا، تم غریبوں اور محتاجوں کی دستگیری کرتے ہو، قرابت

۸: ۱۴/۹۴۔حجر

داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہو، یتیموں کی کفالت کرتے ہو، مہمانوں کی عزت کرتے ہو اور مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے ہی شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو۔ آپ ابن دغنہ کے ساتھ مکہ واپس آئے، ابن دغنہ نے اشراف قریش میں گھوم کر اعلان کر دیا کہ ابوبکر میری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو شہر سے نہیں نکالا جانا چاہیے، جو مفلسوں کی مدد کرتا ہے، قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، یتیموں کی کفالت کرتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے، مصیبت میں کام آتا ہے، لوگوں نے ابن دغنہ کی امان تسلیم کر لی، لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی لگائی کہ انہیں تنبیہ کر دو کہ وہ اپنے گھر میں جس طرح چاہیں نماز پڑھیں، تلاوت کریں۔ ہم گھر سے باہر کی اجازت نہیں دیتے۔ ہمیں خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے فتنہ میں پڑ جائیں۔ ابن دغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ شرط سنائی، آپ نے کچھ دنوں اس پر عمل کیا، پھر گھر کے بیرونی صحن میں مسجد بنالی۔ اس میں نماز پڑھتے اور تلاوت کرتے، ان کے اس عمل سے مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے ان کے ارد گرد بھیڑ لگا لیتے اور بڑی دلچسپی سے قرآن سنتے اور حضرت ابوبکر کو دیکھتے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے آدمی تھے کہ جب قرآن پڑھتے تو اپنے آنسوؤں کو روک نہیں پاتے۔ اس کیفیت سے قریش کے درمیان ایک طرح کا خوف پیدا ہو گیا، انہوں نے ابن دغنہ کو بلایا اور کہا کہ ہم نے تمہاری بات اس شرط پر مانی تھی کہ وہ گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت کریں گے۔ لیکن اب وہ حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ انہوں نے گھر کے باہر اپنے صحن میں مسجد بنالی ہے اور کھلم کھلا نماز و قرآن پڑھتے ہیں۔ تم انہیں اس عمل سے روکو ورنہ اپنی ذمہ داری سے دست بردار ہو جاؤ، ابن دُغُنّہ حضرت ابوبکر کے پاس گیا اور کہا ابوبکر! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذمہ کس شرط پر لیا ہے، یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے بری الذمہ سمجھو۔ میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو جاؤں کہ میں نے کسی کے ساتھ بدعہدی کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں تمہارا ذمہ واپس کرتا ہوں۔ مجھے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ کافی ہے۔[9]

ہجرت مدینہ: جب مخالفین کی ایذا رسانیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا تو آپ نے پھر ایک بار ہجرت کا ارادہ کیا، بہت سے مظلوم صحابہ مدینہ میں پناہ لے چکے تھے، اس وقت مدینہ نور اسلام سے منور ہو چکا تھا، اس لیے آپ نے بھی مدینہ ہی کا قصد کیا، جب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! ٹھہرو، امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت ملے گی، ابوبکر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا آپ کو بھی ہجرت کی امید ہے؟ فرمایا ہاں۔ تو ابوبکر نے اس نیت سے ارادۂ ہجرت ترک کر دیا کہ

9: بخاری، ج:۱، ص:۵۵۲، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ

اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں ہجرت کریں گے، اور اپنے سفر کی دو اونٹنیوں کو ببول کے پتے کھلاتے رہے تا کہ تندرست ہو جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم ایک روز دوپہر کے وقت مکان میں بیٹھے تھے کہ کسی نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کپڑا ڈالے ہوئے تشریف لا رہے ہیں، حالاں کہ ایسے وقت میں آپ کبھی تشریف نہیں لایا کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قسم خدا کی آپ کی ناوقت تشریف آوری کسی خاص مقصد ہی کے لیے ہو سکتی ہے، رسول خدا نے اندر آنے کی اجازت چاہی، اجازت دیدی گئی، آپ اندر داخل ہوئے اور ابوبکر صدیق سے فرمایا سب کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے، ابوبکر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ تو آپ کے اپنے گھر والے ہیں۔ فرمایا: مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے، ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہاں۔ ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ سفر کے لیے یہ دو اونٹنیاں ہیں ان میں سے ایک قبول فرمائیں، آپ نے فرمایا قیمتاً لوں گا، صدیق اکبر نے فرمان رسالت کا لحاظ کرتے ہوئے مجبوراً قیمت لی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جلدی میں جو کچھ ہو سکا ہم نے دونوں حضرات کے لیے سامانِ سفر تیار کیا، اور چمڑے کی ایک تھیلی میں رکھ دیا، اور اسما بنت ابی بکر نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے توشہ دان اور دوسرے سے مَشک کا منہ باندھ دیا، اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو " ذاتُ النِطاقَین "(یعنی دو بند والی) کے معزز لقب سے نوازا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جبل ثور کے ایک غار میں چلے گئے اس سفر کی یہ پہلی منزل تھی۔[۱۰]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور غار کی اچھی طرح صفائی کی۔ اور اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا، سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یار غار کے پاؤں میں کاٹا، مگر جاں نثار رسول نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے۔ مگر درد کی شدت سے یار غار کے آنسوؤں کے چند قطرات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار پر نثار ہو گئے۔ جس سے رحمت عالم بیدار ہو گئے اور اپنے یار غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے، پوچھا ابوبکر! کیا ہوا، عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا

۱۰: بخاری ج:۱ص:۵۵۳۔ رضا اکیڈمی ممبی۔

جس سے فوراً سارا درد جاتا رہا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین رات اس غار میں رونق افروز رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جوان فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور صبح سویرے ہی مکہ چلے جاتے اور پتا لگاتے کہ قریش کیا تدبیریں کر رہے ہیں، جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیتے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فُہَیرَہ رضی اللہ عنہ کچھ رات گئے چراگاہ سے بکریاں لے کر غار کے پاس آجاتے، اور ان بکریوں کا دودھ دونوں عالم کے تاجدار اور ان کے یارِ غار کو پلاتے۔[۱۱]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی دُئل کی ایک شاخ بنی عبد بن عدی کے ایک آدمی عبداللہ بن اُرَیقط کو راستہ بتانے کے لیے اجرت پر رکھ لیا تھا، وہ راستوں کا بڑا ماہر تھا، انہوں نے اسے امین بنا کر اپنی سواریاں اس کے سپرد کر دی تھیں، اور تین رات کے بعد سواریوں کو غار ثور پر لانے کا وعدہ لیا تھا، وہ تیسری رات کی صبح پہنچا اس کے بعد عامر بن فہیرہ اور راہبر نے ان دونوں حضرات کو لے کر ساحل سمندر کا راستہ اختیار کیا۔

سراقہ بن جُعشَم کا بیان ہے کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ اعلان کر رہے تھے کہ جو انہیں قتل کرے یا گرفتار کر کے لائے تو اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، میں ابھی اپنی قوم بنو مُدلج کی مجلس ہی میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ سمندر کے کنارے میں نے ابھی چند آدمیوں کو دیکھا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفقا ہیں، سراقہ نے کہا کہ یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں، لیکن پھر میں نے بات بناتے ہوئے کہا کہ نہیں، وہ لوگ نہیں ہیں، بلکہ میں نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ فلاں فلاں ہیں۔ ابھی ابھی سامنے سے گزرے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد میں مجلس سے اٹھا، اپنے گھر گیا اور باندی کو حکم دیا کہ میرے گھوڑے کو فلاں ٹیلے کے پاس لے جا کر میرا انتظار کرے، اور میں نیزہ لے کر اپنے مکان کے پیچھے سے نکلا اور اس کے پھل کو نیچا کیے ہوئے زمین پر لکیر کھینچتا ہوا چلا تا کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ یہاں تک کہ اپنے گھوڑے کے پاس ٹیلے کے قریب پہنچ گیا، اور اس پر سوار ہو کر منزل مقصود کی طرف اسے سرپٹ دوڑا دیا، یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں زمین پر گر پڑا، میں نے کھڑے ہو کر ترکش میں ہاتھ ڈالا، اور تیروں سے فال نکالی کہ میں ان کا کچھ بگاڑ سکوں گا یا نہیں۔ تو فال میری مرضی کے خلاف نکلی، پھر بھی میں گھوڑے پر سوار ہو گیا اور فال کی کوئی پرواہ نہ کی، جب میں ان کے نزدیک پہنچا تو سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت

---

[۱۱] زرقانی علی المواہب، ج:۱، ص:۳۳۹، سیرت المصطفیٰ

کررہے ہیں، اور کسی جانب مطلق نہیں دیکھتے، البتہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ اچانک میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، اور میں گھوڑے سے گر پڑا، میں نے اپنے گھوڑے کو ڈانٹا، گھوڑا اپنے پاؤں زمین سے نہ نکال سکا، لیکن اسی حالت میں سیدھا کھڑا ہوگیا، تو اس کے پاؤں کے پاس سے دھوئیں کے مانند غبار اٹھا جو آسمان تک چلا گیا، پھر میں نے نیزوں سے فال لی۔ تو اس مرتبہ بھی فال میرے خلاف نکلی، تب میں نے ان حضرات سے امان مانگی، وہ ٹھہر گئے اور میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عنقریب غالب ہو کر رہے گا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے سو اونٹ کا انعام مقرر کیا ہے، اور اہل مکہ کے جو بھی منصوبے تھے سب میں نے عرض کردیے جو سامان سفر میرے پاس تھا، میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے نہ لیا اور نہ مجھے کچھ کہا، ہاں صرف اتنا کہا کہ ہمارا حال لوگوں کو نہ بتانا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے لیے امان لکھ دی جائے، تو آپ نے عامر بن فہیرہ کو لکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھ کر دیدیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوگئے۔ ادھر اہل مدینہ کو آمد رسول کی خبر مل چکی تھی وہ روزانہ مقام حَرَّہ تک آپ کے انتظار میں صبح آتے اور دوپہر تک انتظار کر کے واپس ہو جاتے۔ حسب معمول ایک روز بہت انتظار کے بعد واپس ہوئے تو کسی ضرورت سے ایک یہودی ٹیلے پر چڑھا اور اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی سفید کپڑے زیب تن کیے ہوئے تشریف لا رہے ہیں، یہودی بے اختیار بلند آواز سے چلایا، اے گروہ عرب! جن کا تم انتظار کررہے تھے وہ آگئے، یہ سنتے ہی مسلمان اپنے ہتھیار زیب تن کر کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ مقام حرہ میں آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے داہنی جانب کا راستہ اختیار کیا اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں فروکش ہوئے۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاول دوشنبہ کا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھ گئے اور ابوبکر صدیق کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کررہے تھے، حضرات انصار میں سے جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، وہ ابوبکر صدیق ہی کو سلام کرتے جب آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دھوپ آگئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے اوپر چادر تان کر سایہ کرلیا۔ اس وقت لوگوں نے خادم و مخدوم میں فرق محسوس کیا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔[۱۲]

آپ نے مقام قُبا میں چند روز قیام فرمایا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی، پھر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خارجہ بن زید بن ابی زُہَیر کے مکان پر اقامت فرمائی۔

۱۲: بخاری اول ص: ۵۵۴، ۵۵۵

تعمیر مسجد: مدینہ منورہ مسلمانوں کے لیے امن کی جگہ بن چکا تھا، جو مسلمان ادھر ادھر منتشر تھے، وہ مدینہ میں آ کر آباد ہونے لگے۔ یہاں انہیں آزادی کے ساتھ معبودِ برحق کی عبادت کرنے کا موقع میسر آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد کے بنانے کی فکر لاحق ہوئی، مسجد کے لیے جو زمین تجویز ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی تھی جن کا نام سہل اور سہیل تھا، وہ بلا قیمت دینے کے لیے تیار تھے، مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے راضی نہ ہوئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قیمت دلوائی، اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مالی قربانیوں سے باغ اسلام کی آب یاری ہوتی رہی۔ یہیں پر بس نہیں بلکہ آپ مسجد کی تعمیر میں نوجوانوں کے ساتھ شریک کار رہے۔

مواخات: تعمیر مسجد کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اہم کام یہ کیا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کر دیا، اس طرح کہ مہاجرین میں سے ہر ایک شخص کو انصار میں سے کسی ایک کا بھائی بنا دیا۔ اور یہ بھائی چارگی ایسی پختہ ثابت ہوئی کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ یہ رشتہ حقیقی بھائیوں سے زیادہ پختہ ثابت ہوا، اس مواخات میں جانبین کے مراتب اور ان کے اعزاز کا خاص لحاظ کیا گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رشتۂ مواخات حضرت حارثہ بن زہیر سے قائم کیا گیا، جو مدینہ کے معزز ترین لوگوں میں سے تھے۔

غزوات اور صدیق اکبر: مدینہ پہنچنے کے بعد مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ اسلام کی نشر و اشاعت کا موقع ملا، مگر اسلام کی روز افزوں ترقی کفار مکہ کے لیے نا قابل برداشت تھی، اس لیے انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کر کے اسلام کو روئے زمین سے ختم کرنا چاہا۔ جس کے نتیجے میں لڑائیوں کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا، ان سب لڑائیوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

غزوۂ بدر: اللہ نے بدر میں فتح و نصرت کے ذریعہ مسلمانوں کو عزت بخشی جو مشرکین کے لیے نہایت تکلیف دہ تھی، مشرکین کی فوج ایک ہزار افراد پر مشتمل اسلحوں سے لیس تھی اور فرزندان توحید کا بے سر وسامان دستہ تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ یہ حق و باطل کے درمیان پہلا اور فیصلہ کن معرکہ تھا۔ کفار کی کثرت دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فکر مند ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں مسلمانوں کی فتح و نصرت کے لیے دست بدعا ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدْ۔ [۱۳]

اے اللہ! آج اگر یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیری پرستش نہ ہوگی۔

فرط بے قراری میں چادر مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے سے گر پڑی،

۱۳: سیرت ابن ہشام ج:اص:۶۲۷۔

شیداے رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر شانۂ مبارک پر رکھی اور رو کر عرض کیا، حضور! اب بس کیجیے۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس کے بعد فوراً وحی نازل ہوئی۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ [14]

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے۔ (کنز الایمان)

معرکۂ کارزار گرم ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود رہے، جب بھی کافروں کا دستہ ادھر متوجہ ہوتا تو وہ دادِ شجاعت دے کر انہیں بھگا دیتے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمحہ کے لیے غافل نہ ہوتے اور ساتھ ہی مشرکین سے نبرد آزما بھی ہوتے۔

خداوند قدوس نے وعدۂ نصرت پورا فرمایا، پیغمبر اسلام کو فتح ہوئی، مال غنیمت کے علاوہ ستر قیدی ہاتھ آئے، قیدیوں کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عمر کا مشورہ تھا کہ سب قتل کر دیے جائیں۔ حضرت ابوبکر نے رائے دی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی ہیں اس لیے ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کیا جانا چاہیے۔ اور فدیہ لے کر آزاد کر دینا چاہیے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدیق اکبر کی رائے پسند آئی، اور فدیہ لے کر اسیرانِ بدر کی رہائی کا فیصلہ فرمایا۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر جنگ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، جب وہ مسلمان ہوئے تو اپنے والد ابوبکر سے کہا، آپ جنگ بدر میں میری تلوار کی زد میں آگئے تھے، باپ کی محبت حائل ہوگئی اور میں نے آپ کو قتل نہیں کیا، حضرت ابوبکر نے فرمایا بیٹے! اگر تم میری شمشیر کی زد میں آتے تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑتا۔ یہ حق کی راہ میں قرابت کا ایثار ہے کہ اسلام کے مقابلے میں جو بھی آئے گردن زدنی ہے۔

غزوۂ احد: بدر کی شکست نے کفار مکہ کی کمر توڑ دی تھی۔ اس لیے وہ جوش انتقام میں سال بھر تک تیاریاں کرتے رہے۔ اور ۳ھ میں تین ہزار کا لشکر جرار لے کر کوہ احد کے دامن میں سینہ سپر ہوگئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سات سو جاں نثاروں کے ساتھ ان کے مقابلے میں آئے۔ مجاہدین اسلام قلت تعداد کے باوجود پہلے غالب آئے، لیکن کچھ لوگوں کی غلطی کے باعث بعد میں پانسا پلٹ گیا اور حملہ کی تاب نہ لا کر مسلمانوں کی جمعیت منتشر ہوگئی۔ اسی دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی تیر اندازی اور سنگ باری سے زخم آگئے، اور قریش نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ گرم کر دی، اس خبر نے مسلمانوں کو حواس باختہ بنا دیا، جس کی وجہ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور مدینہ کی راہ لی۔ اس نازک وقت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا اور برابر دفاع کرتے رہے۔ اور چند جاں نثار صحابہ بھی چاروں طرف حلقہ بنا کر ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے چٹان کی طرح جم گئے۔

---

[14]: قرآن مجید ۹/۹۔ انفال

غزوۂ بنی مُصطلِق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلۂ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرارہ مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو آپ نے مدینہ پر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور خود قبیلۂ بنی مصطلق کی طرف اسلامی لشکر لے کر روانہ ہو گئے۔ اس جنگ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا علم بردار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ یہ واقعہ ۲ شعبان ۵ ھ کا ہے۔

غزوۂ خندق: ذی قعدہ ۵ ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔ یہودیوں کی سازش سے چوبیس ہزار کافروں کا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ جب کہ مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی، دشمنوں نے تقریباً ایک مہینے تک محاصرہ رکھا اور متواتر حملے کیے، لیکن ہر مرتبہ زک اٹھانی پڑی، لشکر اسلام کا ایک دستہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں خندق کے ایک حصہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ بعد میں اس جگہ ایک مسجد بنادی گئی، جو مسجد صدیق کے نام سے مشہور ہے۔

صلح حُدَیبیہ: ذی وقعدہ ۶ ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ ادائے عمرہ کے لیے روانہ ہوئے، دوران سفر یہ اطلاع ملی کہ قریش راستہ روکے ہوئے ہیں، اور آمادۂ پیکار ہیں۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ یا رسول اللہ آپ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہیں، کسی کے قتل یا کسی سے لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے، حضور! بیت اللہ کی طرف چلیں، جو ہم کو بیت اللہ سے روکے گا اس سے ہم لڑیں گے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نام پر آگے بڑھو۔

اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے آپ نے راستہ بدل کر سفر جاری رکھا اور مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا، اس کے بعد دونوں طرف سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اسی دوران یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت عثمان غنی جو نمائندہ کی حیثیت سے مکہ بھیجے گئے تھے، شہید ہو گئے، یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے جہاد کی بیعت لی۔ یہی بیعت تاریخ اسلام میں "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔

اس بیعت کی خبر سن کر قریش مکہ کچھ نرم پڑ گئے اور مصالحت کے لیے عروہ بن مسعود کو بھیجا، اس نے گفتگو کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے ساتھ ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ وقت آئے گا تو وہ آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ بن مسعود کا یہ جملہ سن کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طیش آ گیا اور صبر و ضبط کی تاب نہ رہی، انہوں نے تڑپ کر کہا: اے عروہ! چپ، جا اپنے معبود لات کی شرمگاہ چوس۔ ہم بھلا اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟

عروہ نے تعجب سے پوچھا یہ کون ہیں، لوگوں نے کہا یہ ابوبکر ہیں۔ عروہ نے کہا اے ابوبکر اگر تیرا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے ابتک ادا نہیں کیا ہے، تو میں تیری اس تلخ گفتگو کا ضرور جواب دیتا۔

طویل مباحثے کے بعد شرائط صلح طے ہوئیں۔ شرائط سے بہ ظاہر کفار کی کامیابی ثابت ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے اضطراب ہوا، وہ جھپٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور فاروقی انداز میں اپنا خیال ظاہر کیا، حضرت ابوبکر نے سن کر جواب دیا۔

اے عمر! وہ اللہ کے رسول ہیں، جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے حکم ہی سے کرتے ہیں [۱۵]

غزوۂ خیبر: صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان قریش کی طرف سے تو مطمئن ہو گئے، لیکن یہودیوں سے خطرہ بہر حال تھا۔ خندق کی ناکامی اور مدینہ سے بنو نَضِیر کی جلاوطنی نے ان کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی، یہود، مدینہ پر حملہ کی تیاری ہی میں تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں سولہ سو صحابہ کا لشکر لے کر فوج کشی کر دی۔ جس کے سب سے پہلے سپہ سالار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، پھر حضرت عمر فاروق نے کمان سنبھالی، اخیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے علم لیا اور انہیں کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوا۔

اسی سال شعبان میں حضرت صدیق بنو کلاب کی سرکوبی کے لیے مامور ہوئے۔[۱۶] اور وہاں سے کامیاب واپس ہونے کے بعد بنو فزارہ کی تادیب کے لیے ایک مہم میں روانہ ہو گئے، بہت سے قیدی اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے [۱۷]

فتح مکہ: صُلح حدیبیہ کی عہد شکنی کی وجہ سے ۸ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کی جماعت لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، داخلے کے وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہم رکاب تھے، فتح کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ابو قحافہ کو سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا تا کہ اسلام کی تلقین فرمائیں۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا ابوبکر! تم شیخ (بڑے میاں) کو مکان ہی پر رہنے دیے ہوتے، میں خود ان کے پاس چلتا، عرض کیا یا رسول اللہ انہیں کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے تھا۔ آپ نے ابو قحافہ کو سامنے بیٹھایا اور سینہ پر دست مبارک پھیر کر فرمایا اَسْلِمْ اسلام لے آؤ، ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔[۱۸]

فتح مکہ کے بعد قبیلۂ ثَقِیف اور ہَوازِن نے جنگ کا اعلان کر دیا، ان کا زور توڑنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر حُنَین کا رخ کیا، گھمسان کی جنگ

---

[۱۵] سیرت ابن ہشام ج:۳، ص:۳۱۷ [۱۶] زرقانی ج:۲، ص:۳۸۷۔ [۱۷] مسلم، ج:۲، ص:۸۹ [۱۸] الاصابہ ج:۲، ص:۳۶۱۔

ہوئی، پہلے مسلمانوں کی پسپائی ہوئی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر لشکر اسلام نے پھر ہمت باندھی اور کامیابیوں سے ہم کنار ہوئے، اول وہلہ میں جب مسلمان منتشر ہو گئے تو اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی حاصل رہی۔ آگے بڑھے تو طائف کا محاصرہ کیا گیا جس میں آپ کے فرزند عبداللہ زخمی ہو گئے، اور اسی زخم کی وجہ سے آپ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔[۱۹]

غزوۂ تبوک: ۹ھ میں مدینہ پر قیصر روم کے حملہ کی خبر گرم ہوئی، مسلسل لڑائیوں سے مسلمانوں کی مالی حالت کمزور ہوگئی تھی، بڑے پیمانے پر جنگی تیاری کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی، تمام اصحاب رسول نے بقدر وسعت حصہ لیا، حضرت عثمان غنی نے بے اندازہ مال پیش کیا، اور فاروق اعظم نے اپنے سرمایہ کا نصف، اس موقع پر بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امتیازی شان قائم رہی، انہوں نے گھر کا سارا اثاثہ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈال دیا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ابوبکر! اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول ہے۔[۲۰]

اِمارت حج: غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ ۹ھ میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ اور عرفات ومنیٰ میں خطبہ پڑھا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، سورۂ براءت پڑھ کر سنائی، اور اعلان کر دیا کہ اب سے کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں داخل نہ ہو، نہ کوئی برہنہ طواف کرے، اور چار مہینے کے بعد کفار ومشرکین سے امان ختم کردی جائے گی، اس اعلان کے بعد کفار ومشرکین جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔[۲۱]

تفویض امامت: ماہ صفر ۱۱ھ کے آخری ایام میں تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا، جب مرض نے شدت اختیار کرلی تو آپ نے فرمایا: مُرُوا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بالنَّاسِ۔ یعنی ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ وہ نرم دل ہیں آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکیں گے، دوبارہ فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں، حضرت صدیقہ نے پھر وہی عذر پیش کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار پھر تاکیداً فرمایا کہ کہو کہ ابوبکر نماز پڑھائیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔[۲۲]

۱۹: الاصابہ، ج:۲، ص:۲۸۳۔
۲۰: ابوداؤد، کتاب الزکوۃ۔
۲۱: طبری، ج:۴، ص:۲۱۔۷۱، زرقانی ۳ر۹۰
۲۲: بخاری، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ حدیث ۶۷۸۔

حضور کی حیات ظاہری میں آپ نے کل سترہ نمازیں پڑھائیں۔اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور امامت وخلافت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

وصال رسول اور ابوبکر صدیق:

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ کے روز مرض میں کمی نظر آئی اور کچھ سکون معلوم ہوا، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقام " سُنُح "اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس چلے گئے، وصال کی خبر سن کر فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور مسجد نبوی میں آئے لوگوں کا ازدحام تھا آپ کسی سے کچھ کلام کیے بغیر حجرۂ عائشہ میں داخل ہوئے دیکھا کہ ایک منقش یمنی چادر اوڑھے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استراحت فرمارہے ہیں۔آپ نے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی، جھک کر پیشانی کا بوسہ لیا اور رو پڑے، پھر عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ فرمائے گا، اللہ نے جو موت آپ کے لیے لکھی تھی وہ آپ پا چکے۔

اس کے بعد آپ حجرے سے باہر نکلے دیکھا کہ عمر فاروق لوگوں کے سامنے تقریر کررہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، اگر کسی نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے تو میں اس کا سر قلم کردوں گا، آپ نے فرمایا: عمر! بیٹھ جاؤ، وہ نہ مانے، پھر فرمایا بیٹھ جاؤ، اب بھی وہ نہ مانے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا، اور خود تقریر شروع کردی، لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے، تب آپ نے فرمایا:

تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا تو وہ جان لے کہ ان کا وصال ہوگیا، اور جو اللہ کی پرستش کرتا تھا، تو اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ٥ [۲۳]

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، اور عن قریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا۔(کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت کریمہ پڑھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی اس آیت کو جانتا ہی نہ تھا، اب ہر شخص کی زبان پر اسی آیت کا ورد ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے جب صدیق اکبر کی زبان سے یہ آیت کریمہ سنی، تب مجھے یقین ہوا کہ واقعی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے، تو میں

[۲۳]: ۳، ۱۴۴ آل عمران۔

ٹوٹ کر رہ گیا، میرا بدن میرے پاؤں پر بوجھل ہو گیا اور میں زمین پر گر پڑا۔[۲۴]

خلافت: ہجرت کے بعد مدینہ کا سارا انتظام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا، دائرۂ اسلام جوں جوں وسیع ہوتا گیا، حکومت کا دائرہ بھی پھیلتا گیا، اور یہ حکومتِ الٰہیہ تقریباً تمام عرب پر محیط ہو گئی، عرب کے لگ بھگ سارے باشندے مسلمان ہو گئے اور جو لوگ مسلمان نہ ہوئے انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا، رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ آپ کے بعد نظام حکومت کون سنبھالے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا فخر کسے نصیب ہو۔ انصار مدینہ اس خلافت کا سب سے زیادہ مستحق اپنے آپ کو سمجھتے تھے، اس مسئلے کے حل کے لیے وہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سَقِیْفَه بَنِی سَاعِدَہ میں انصار کے اجتماع کا علم ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق اور ابو عبیدہ بن جراح کو لے کر انصار کے پاس پہنچے، ابھی انصار کسی فیصلہ تک نہ پہنچ سکے تھے، گفتگو جاری تھی، انصار اپنے لیے استحقاق خلافت پر زور دے رہے تھے، حضرت ابو بکر نے ایک بلیغ خطبہ دیا۔

عربوں کے لیے اپنے آبا و اجداد کا دین ترک کر دینا بڑا دشوار تھا، اس کے لیے وہ بالکل آمادہ نہ تھے، اللہ نے آپ کی قوم میں سے مہاجرین اولین کو وہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی، ایمان لائے اور خدمت کے لیے کمر بستہ ہوئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصیبتیں جھیلیں، جب کہ سارے لوگ ان کے مخالف تھے اس کے باوجود وہ خوف زدہ نہ ہوئے، لہٰذا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے روے زمین پر اللہ کی عبادت کی اور رسول پر ایمان لائے ساتھ ہی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا اور کنبے والے ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، اس معاملے میں سوائے ظالم کے ان سے کوئی نزاع نہیں کر سکتا۔

اے گروہ انصار! تم وہ لوگ ہو جن کی فضیلت دینی اور سبقت اسلام سے انکار نہیں، اللہ نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسول کا مددگار بنایا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری طرف ہجرت کی، اور بیشتر صحابہ تمہیں سے تھے، مہاجرین اولین کے بعد تمہارا ہی مرتبہ ہے، اس لیے ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر، تمہارے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا، اور تمہاری شرکت کے بغیر کوئی کام انجام نہ پائے گا۔

اس تقریر نے لوگوں پر اثر ضرور ڈالا، مگر بعض انصار مطمئن نہ ہوئے، گفتگو طول پکڑ گئی، حالات کے بدلتے تیور دیکھ کر حضرت بشیر بن سعد انصاری نے فرمایا:

اے گروہ انصار! اگرچہ جہاد اور دین میں سبقت کے معاملے میں تمہیں مہاجرین

[۲۴] یہ تفصیلات المواہب اللدنیہ اور مدارج النبوت سے ماخوذ ہیں۔

پر فضیلت حاصل ہے، لیکن ہم نے سب محض رضائے الٰہی، اطاعت نبوی اور اپنے نفس کی اصلاح کے لیے کیا تھا، ہماری غرض اس پر فخر و مباہات نہ تھی، اللہ ہمیں اس کی جزا دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی سے تھے، ان کی قوم خلافت کی زیادہ حقدار ہے اللہ نہ کرے کہ ہم اس بارے میں ان سے جھگڑیں، اس لیے اے انصار! اللہ سے ڈرو اور مہاجرین کے ساتھ نزاع نہ کرو۔

بشیر بن سعد کی تقریر نے مجمع کا رنگ بدل دیا، لوگوں کی نگاہوں سے حجابات اٹھ گئے، ہر طرف خاموشی چھا گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا: یہ عمر اور ابوعبیدہ ہیں ان میں سے جس کی چاہو بیعت کرلو۔

حضرت عمر نے کہا ابوبکر اپنا ہاتھ بڑھایئے، حضرت ابوبکر نے ہاتھ بڑھایا، حضرت عمر نے بیعت کرلی، اور فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم نہ دیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں، اس لیے آپ ہی خلیفۃ اللہ ہیں، ہم آپ کی بیعت اس لیے کرتے ہیں کہ آپ ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔

حضرت ابوعبیدہ نے بھی اسی طرح کے الفاظ کہتے ہوئے، بیعت کرلی، پھر مجمع عام نے بیعت کی، تفرقہ اور انتشار کا سیلاب تھم گیا، امت اسلام خانہ جنگی کی تباہ کاریوں سے بال بال بچ گئی۔

سقیفۂ بنی ساعدہ سے واپسی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین عمل میں آئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کو آپ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔[۲۵]

بیعت عام: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے دوسرے دن ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۱۰ جون ۶۳۲ء بروز سہ شنبہ مسجد نبوی میں بیعت عام ہوئی، لوگ جوق در جوق مسجد میں آتے اور حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کرتے، اس کام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی خلافت کا پہلا خطبہ دیا جس میں اپنے طرز عمل کی وضاحت فرمائی، آئندہ کی زندگی اور طریق خلافت نے اس خطبہ کی حرف بہ حرف تصدیق کی۔

اے لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالاں کہ میں تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کرو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت، انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں، اور قوی فرد ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسرے کا حق دلا دوں، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے، اسے خدا ذلیل و خوار کر دیتا ہے، اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔ میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو

[۲۵]: ماخوذ از خلفائے راشدین، ص: ۵۱، تا: ۵۷۔

میری اطاعت کرو اور جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں، اچھا اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اللہ تم پر رحم کرے[۲۶]۔

ظہور فتنہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد فتنوں نے سر اٹھایا، منافقین کی شورشیں تیز ہوگئیں، مرتدین کا سیلاب امڈ پڑا، جھوٹے مدعیان نبوت کی سرگرمیاں عام ہونے لگیں، بیرونی طاقتوں کی یلغار کا خطرہ بھی درپیش تھا، ان پر آشوب حالات میں صدیق اکبر کی خلافت کا اعلان ہوا، آپ نے تدبیر و دانائی اور فراست ایمانی کی مدد سے ان سارے فتنوں پر قابو پالیا۔

جیشِ اسامہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام پر حملہ کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا اور اس کا سپہ سالار اسامہ بن زید کو بنایا تاکہ جنگ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ کی شہادت کا انتقام لیا جا سکے، لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا، جو فتنے کسی وجہ سے دبے ہوئے تھے رحلت رسول کے بعد ان میں شدت پیدا ہوگئی، اور سب کا رخ مدینہ کی طرف تھا، ان حالات کے پیش نظر صحابہؓ کرام کا خیال ہوا کہ بروقت لشکر اسامہ کی روانگی ملتوی کردی جائے، کیوں کہ ایسے پرفتن ماحول میں مجاہدین سے مدینہ کو خالی کرنا مناسب نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کی سختی سے مخالفت کی اور فرمایا:

> قسم ہے خداے وحدہ لا شریک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مجھے یہ اندیشہ ہو کہ درندے مجھے پھاڑ کھائیں گے، پھر بھی لشکر اسامہ کو روانہ کرنے سے باز نہیں رہوں گا، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، اگر بستیوں میں میرے سوا کوئی نہ رہے تو میں تنہا ارشاد رسول کی تعمیل کروں گا۔[۲۷]

حضرت اسامہ زید بن حارثہ کے بیٹے تھے، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، اس وقت ان کی عمر سترہ سال کی تھی، بعض صحابہ نے حضرت اسامہ کے بجاے کسی سن رسیدہ، تجربہ کار شخص کی قیادت کا مطالبہ کیا تو خلیفۃ المسلمین نے فرمایا:

رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو امیر لشکر بنایا ہے اور میں انہیں برطرف کروں؟

آخر خلیفہ اول کے حکم سے لشکر روانہ ہوا، حضرت اسامہ گھوڑے پر سوار تھے، اور خلیفۃ المسلمین پیدل چل رہے تھے، حضرت اسامہ نے کہا یا تو آپ سوار ہو جائیں یا مجھے اترنے کی اجازت دیں، خلیفہ نے کہا نہ تم اتر سکتے ہو اور نہ میں سوار ہوں گا، اس وقت میں اس لیے پیدل چل رہا ہوں تاکہ اللہ کی راہ میں کچھ دیر پیدل چل کر اپنے قدم خاک آلود کرلوں۔

اثناے راہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ سے کہا کہ اگر مناسب سمجھو تو میرے تعاون کے لیے عمر کو یہاں چھوڑ دو، حضرت اسامہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو رکنے کی اجازت

۲۶: الطبقات الکبری لابن سعد وخلفاے راشدین ص ۵۷۔ ۲۷: تاریخ طبری، ج:۴، ص:۴۵۔

دیدی، بہ وقت رخصت آپ نے لشکر سے خطاب کیا۔
ذرا ٹھہرو تا کہ میں تمہیں دس باتوں کی نصیحت کروں، انہیں یاد رکھنا، خیانت نہ کرنا، نفاق نہ برتنا، بدعہدی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، کبھی بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا، کسی کھجور کے درخت کو نہ کاٹنا، نہ جلانا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ گائے، بکری اور اونٹ کو نہ ذبح کرنا، تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو خانقاہوں میں عبادت کے لیے گوشہ نشین ہونگے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا، بعض لوگ تمہارے لیے قسم قسم کے کھانے لائیں گے ان میں سے تمہیں کھانا ہو تو اللہ کا نام لے کر کھالینا، تمہارا گزر ایسے لوگوں پر بھی ہوگا جن کی چندیا صاف ہوگی، اور اس کے گرد بالوں کی پٹیاں جمی ہوں گی، ایسے لوگوں کا سر قلم کر دینا، اچھا اب اللہ کا نام لے کر جاؤ، اللہ تمہیں نیزوں کی ضرب اور طاعون سے محفوظ رکھے[۲۸]۔

یہ لشکر یکم ربیع الآخر ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر حدود شام میں داخل ہوا، اور چالیس روز کے بعد کامران و بامراد واپس آیا۔ خلیفۃ المسلمین نے شہر کے باہر نکل کر استقبال کیا۔

منکرین زکوٰۃ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک گروہ منکرین زکوٰۃ کا پیدا ہوا، یہ گروہ اسلام کے دوسرے تمام احکام پر سختی کے ساتھ کاربند تھا صرف ادائے زکات کا منکر تھا، زکوٰۃ چوں کہ ارکان اسلام میں سے ہے، اس لیے خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کا فیصلہ کرلیا، لیکن اور صحابہ اختلاف رائے رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس جماعت سے کیوں کر جنگ کریں گے جس نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنی جان محفوظ کر لی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، اس سے ضرور لڑوں گا، زکوٰۃ حقِ مال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر بکری کا چھوٹا سا بچہ بھی زکوٰۃ میں دیتے تھے اگر اس کے بھی دینے سے انکار کریں گے تو ان سے اس پر ضرور جہاد کروں گا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بہ خدا اللہ نے ابوبکر کے سینے کو قتال کے لیے کھول دیا تھا، اب مجھے معلوم ہوا کہ حق یہی ہے[۲۹]۔

منکرین زکوٰۃ کی جماعت نہایت سرکش ہوگئی تھی، اس نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ بنالیا تھا، جب حضرت صدیق اکبر کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بلا تاخیر لشکر ترتیب دیا، اور ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگئے، صبح صادق کے وقت جب دشمن خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے، مسلمانوں نے سنہرا موقع دیکھ کر اپنی تلواریں ان کے سینوں میں پیوست کرنی شروع کردیں۔ دشمن گھبرائے ہوئے اٹھے، جنگ ہونے لگی اور یہ سلسلہ دوپہر تک چلتا رہا، حملے کی تاب نہ لا کر منکرین زکاۃ کا لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ چلا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقام

۲۸: تاریخ طبری، ج:۴، ص ۴۵، ۴۶۔ ۲۹: بخاری، ج:۱، ص:۱۸۸

''ذو القَصه'' تک ان کا تعاقب کیا۔

اس جنگ کا خوشگوار اثر یہ ہوا کہ منکرین زکاۃ خود زکوٰۃ کا مال لے کر مدینہ دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔

مدعیان نبوت: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں بعض شر پسندوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، نومسلم قبائل جن کے دلوں میں اسلام کی حقیقت راسخ نہ ہوسکی تھی، ان کے فریب میں آکر مرتد ہونے لگے ان جھوٹے نبیوں کی قدرے تفصیل یوں ہے۔

اَسْوَد عَنْسی: اسود عنسی جس کا نام عَیْہَلہ بن کعب تھا، قبیلۂ مَذحِج کی شاخ عنس سے تعلق رکھتا تھا، یہ شخص کاہن اور شعبدہ باز تھا، رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ علالت پا کر اس نے نبوت کا دعوی کر دیا، اکثر قبائل یمن اس کے ہم نوا ہو گئے، اس کی یہ تحریک جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلنے لگی۔

مدینہ کی جانب سے فوجی پیش رفت نہ ہونے کی وجہ سے اسود نے مزید قوت حاصل کر لی، عدن کا سارا علاقہ، صَنعاء سے طائف تک کے تمام پہاڑ اور وادیاں اس کے زیرنگیں آ گئے، لیکن وہ افراد جن کی وجہ سے اسود عروج حاصل کر رہا تھا، انہیں کی وجہ سے زوال پذیر بھی ہوا، قیس، فیروز اور دَاذوَیہ جنہیں اس نے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا تھا، اس کے لیے دردسر بن گئے، اس کی ایرانی بیوی اس سے شدید نفرت رکھتی تھی اور مخالفین کے منصوبے میں شریک رہتی تھی، دوسری جانب یمن کے مسلمان فیروز وغیرہ کے ساتھ ہو گئے، چنانچہ اس کی بیوی کی رہنمائی میں یہ سب لوگ اسود عنسی کے مکان میں خفیہ راستہ سے داخل ہوئے اور صبح صادق کے وقت اسود جب نشہ کی حالت میں بدمست خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا، فیروز نے تلوار کا شدید وار کیا، جس سے وہ زخمی ہو کر دہاڑیں مارنے لگا، جب مکان کے پاسبان آئے اور واقعہ دریافت کیا تو اس کی بیوی نے تمسخر سے جواب دیا، ''تمہارے پیغمبر پر وحی نازل ہو رہی ہے''۔ قیس نے اسود کی گردن تن سے جدا کر دی، اور شہر کی فصیل پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور اسود عنسی جھوٹا تھا، اسود کے قتل ہوتے ہی اس کے حامی بھاگ کھڑے ہوئے اور قیس، فیروز اور داذویہ نے یمن کا انتظام سنبھال لیا، اس طرح اسود کی جھوٹی نبوت اور حکومت کا طلسم ٹوٹ گیا، یہ واقعہ عہد رسالت میں ہوا، خبر عہد صدیقی میں مدینہ پہنچی۔[30]

مُسَیْلَمہ کَذّاب: مسیلمہ بنی حَنیف سے تعلق رکھتا تھا، اس نے عہد رسالت ۱۰ھ میں دعوی نبوت کیا قبائلی عصبیت نے اتنا زور مارا کہ بنو حنیف اور اس کے حلیف

۳۰: تاریخ طبری ج۔۴، اور خلفائے راشدین سے ماخوذ۔

قبائل مسیلمہ کے متبع بن گئے، مسیلمہ کی جرأت اس قدر بڑھ گئی کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کی طرف۔ میں آپ کا شریک بنایا گیا ہوں اس لیے نصف زمین ہماری ہے، اور نصف قریش کی، لیکن قوم قریش انصاف سے کام نہیں لیتی۔

جب یہ خط رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو غضب ناک انداز میں یہ جواب دیا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کی طرف، بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے متقی بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔"

مسیلمہ کے اثرات بڑھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فوج کشی اس لیے نہیں فرمائی کہ اس وقت ساری توجہ اس طرف تھی کہ قیصر روم کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے عرب کی حفاظت کس طرح ہو؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عِکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر یمامہ روانہ کیا، چوں کہ یہ لشکر ناکافی تھا، اس لیے شُرَحبِیل بن حَسَنَہ کی قیادت میں ایک اور لشکر روانہ کیا، عکرمہ نے یمامہ پہنچ کر شُرَحبِیل کا انتظار کیے بغیر مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور شکست سے دو چار ہوئے۔ جب دربار خلافت میں یہ روح فرسا خبر پہنچی تو حضرت صدیق اکبر بہت رنجیدہ ہوئے، اور شُرَحبِیل کو اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا حکم دیا، اور مسیلمہ سے جنگ کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید کا انتخاب کیا، خالد یمامہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار جاں بازوں کا منتخب لشکر موجود تھا، شُرَحبِیل نے خالد کے یمامہ پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ کے لشکر پر حملہ کیا اور ناکامی کا منہ دیکھا۔

خالد بن ولید یمامہ پہنچے، جنگ سے قبل ہی ایک اور لشکر مدینہ سے خالد کی مدد کے لیے روانہ کر دیا گیا، خالد سیف اللہ اسلامی لشکر کے ساتھ "عَقْرَباء" پہنچے جہاں مسیلمہ اپنے لشکر جرار کے ساتھ خیمہ زن تھا، حضرت خالد نے بھی اپنی فوج ترتیب دی، دونوں لشکر فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہوئے، گھمسان کا رن پڑا، مسیلمہ کے ساتھیوں نے بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے مسلمانوں کو پسپا کر دیا، مسلمان سنبھلے اور دشمن پر پر جوش حملہ کیا مگر مسیلمہ کے سپاہی اپنی جگہ قائم رہے، حضرت خالد نے میدان جنگ کا جائزہ لینے کے بعد مسیلمہ کے محافظ دستوں پر زبردست حملہ کر دیا، اس حملے کی تاب نہ لاکر مسیلمہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا، اس کے متبعین نے پوچھا، تو ہم سے جس فتح وظفر کا وعدہ کرتا تھا وہ کہاں ہے، لیکن اس کے فریب کا پردہ چاک ہو چکا تھا وہ ٹھہر نہ سکا، اس کے

بھاگتے ہی سارا لشکر پسپا ہوگیا، مسیلمہ وحشی بن حرب (قاتل حضرت حمزہ) کے ہاتھوں قتل ہوا، اور اس کی بیوی سجاح جو خود مدعیۂ نبوت تھی، مسیلمہ کے قتل کے بعد بھاگ گئی، حضرت خالد سیف اللہ کی قیادت والی فوج نے مرتدین کی کمر توڑ ڈالی، جس کی وجہ سے پورا علاقہ مطیع وفرماں بردار ہوگیا، اس فتح مبین کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اطمینان کا سانس لیا۔[۳۱]

تاریخ اسلام میں یہ جنگ، جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے۔

طُلَیحہ اسدی: قبیلۂ بنی اسد کے سردار طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا، اس نے اپنے قبیلے کے علاوہ بنی طے اور غطفان کو بھی گمراہ کر کے اپنا حلیف بنالیا، اس طرح اس کے پاس فوج تیار ہوگئی، اس کی سرکوبی کے لیے حضرت خالد بن ولید مامور ہوئے، چونکہ قبیلۂ طی کے لوگ بھی اس کی جھوٹی نبوت کے جال میں پھنس گئے تھے، اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بنی طے کو راہ راست پر لانے کے لیے حضرت عدی بن حاتم طائی کو بنی طے میں بھیجا، حضرت عدی نے اپنی قوم کو حالات کی نزاکتوں سے آگاہ کیا، ارتداد کی صورت میں تباہی و بربادی سے ڈرایا تو قوم پر ان کی نصیحتوں کا اثر ہوا، انہوں نے باہمی مشورے سے دوبارہ اسلام لانا طے کرلیا، اور قبیلۂ طے کے پانچ سو جاں باز جو طلیحہ کے ہم نوا ہوگئے تھے انھیں کسی حیلہ سے اپنے یہاں واپس بلایا۔ جب یہ لوگ اپنے قبیلے میں آگئے، تو انہیں بھی عدی نے افہام و تفہیم کے ذریعہ قبول اسلام پر آمادہ کرلیا، اس طرح پورے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا، اور حضرت عدی کی کوشش سے بنی جَدِیلہ کے ایک ہزار افراد مسلمان ہوگئے اور لشکر اسلام میں شامل ہوئے۔

بنی طے اور بنی جَدِیلہ کے قبول اسلام کی خبر نے طلیحہ کو مضمحل کردیا، لیکن عُیَیْنَہ فَزَارِی پر اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار رہا۔ خالد بن ولید کی قیادت میں اسلامی لشکر مقام بُزَاخَہ پہنچا، جنگ شروع ہوئی، اسلامی لشکر نے طلیحہ کی فوج کو پیچھے ڈھکیلنا شروع کیا، عیینہ فزاری کی ساری جنگی تدبیریں ناکام ہوگئیں، اس نے راہ فرار اختیار کی اور طلیحہ نے بھی شام کا راستہ لیا۔ جب اسے پتا چلا کہ اس کے ہوا خواہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے تو وہ بھی مسلمان ہوگیا۔[۳۲]

سَجاح بنت حارث: مرد تو ایک طرف عورتوں کو بھی جنون سوار ہوگیا، چنانچہ بنو تمیم کی ایک شاخ بنو یَربوع سے (جو اَلْجُزَیْرَہ میں آباد تھے) سجاح بنت حارث تمیمیہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہ مذہباً نصرانی تھی، حسین وخوبصورت ہونے کے ساتھ ایک ماہر کاہنہ بھی تھی، اس کے اندر فراست و دانائی کے ساتھ قیادت کی بھرپور صلاحیت تھی، جلد ہی اس نے مختلف قبائل کے جاں بازوں کو اپنے گرد جمع کرلیا۔ اشعث بن قیس اس کا خاص داعی تھا۔ اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے اس نے مسیلمہ سے شادی کرلی، مسیلمہ نے وعدہ کیا تھا کہ یمامہ کی

۳۱: خلفائے راشدین، ص: ۷۶-۷۷-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲۔ ۳۲: خلفائے راشدین، ص: ۸۱-۸۲-۸۳۔

پیداوار کا نصف حصہ سجاح کا ہوگا اس عہد و پیان کے بعد سجاح الجزیرہ واپس لوٹ گئی، پھر وہ عراق سے باہر نہ نکلی، حضرت معاویہ کے عہد میں اسلام لائی۔ ۳۳؎

جمع قرآن: قرآن کریم کی جمع و تدوین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زبردست دینی کارنامہ ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا قرآن ۲۳ رسال میں نازل ہوا، جو صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا، عہد صدیقی کی لڑائیوں میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوگئے، خاص کر جنگ یمامہ میں حفاظ اتنی کثرت سے شہید ہوئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر شہادت کا یہی سلسلہ جاری رہا، تو قرآن کا بیشتر حصہ جو صحابہ کے سینوں میں محفوظ ہے ضائع ہوجائے گا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا اظہار کرکے گزارش کی کہ ابھی مسلمانوں کو بہت سے معرکے سر کرنے ہیں اور اس کثرت سے حفاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بیشتر حصہ ضائع ہوجائے گا، اس لیے میری رائے ہے کہ آپ قرآن کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم فرمائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں دونوں حضرات کے درمیان بحث ہوتی رہی بالآخر حضرت صدیق کے دل میں یہ بات اتر گئی کہ یقیناً قرآن کی تدوین اس زمانے کی اہم ضرورت ہے، اس کار عظیم کے لیے آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب کیا، اور فرمایا کہ تم نوجوان آدمی ہو، عقل و شعور کے مالک ہو، کاتب وحی ہو اور تمہاری قرآن فہمی سب پر مسلم ہے، اس لیے محنت و جانفشانی سے قرآن کو جمع کردو، حضرت زید فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کو کہا جاتا تو یہ میرے لیے اس سے آسان تھا کہ میں قرآن جمع کروں، میں نے عرض کیا کہ آپ وہ کام کیسے کریں گے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، آپ نے فرمایا کہ تمہارا خیال درست ہے، لیکن پھر بھی یہ اچھا ہے، دیر تک بحث و مباحثہ کے بعد اللہ نے میرا بھی سینہ ایسے ہی کھول دیا جس طرح ابوبکر و عمر کا سینہ کھول دیا، اس کے بعد میں نے قرآن مجید کو کھجور کے پتوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کیا، یہاں تک کہ سورہ توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملی وہ یہ ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.

یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، پھر ان کی حیات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر کی تحویل میں رہا۔ ۳۴؎

۳۳؎ خلفاے راشدین ص: ۸۵۔۸۷، الکامل فی التاریخ لابن اثیر۔ ج: ۲، ص: ۲۰۹ تا ۲۱۲۔

۳۴؎ بخاری، باب جمع القرآن، ج: ۲، ص: ۷۴۵، ۷۴۶

اس طرح قرآن کا یہ پہلا نسخہ تحریری شکل میں عہد صدیقی میں مدون ہوا۔ جو الگ الگ سورتوں پر مشتمل تھا، سب کی یکجا شیرازہ بندی نہ تھی۔

فتوحات: اندرونی فتنوں سے نپٹنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کی، اس زمانے میں جزیرہ نمائے عرب دو عظیم سلطنتوں ایران اور روم کے درمیان گھرا ہوا تھا، بادشاہ روم کو قیصر اور ایران کے فرماں روا کو کسریٰ کہا جاتا تھا، اختلاف مذاہب کی بنا پر ان دونوں سلطنتوں سے عرب کے تعلقات کشیدہ رہتے تھے، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ عرب ان کے تابع فرمان رہیں، لیکن عرب بادیہ نشین چوں کہ فطرۃً آزاد اور بہادر تھے، اس لیے کسی کی غلامی قطعاً پسند نہ کرتے، مزید برآں ساری قبائلی عداوتوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام کے جھنڈے تلے آ گئے، عربوں کا یہ اتحاد قیصر و کسریٰ کے لیے دردسر بن گیا۔

عراق پر لشکر کشی: فوجی برتری کے ساتھ ایرانی اپنی تہذیب کو اعلیٰ اور عمدہ تصور کرتے، عربوں کے طرز معاشرت کو حقارت سے دیکھتے اور عرب جنگ جوؤں کو اجڈ اور بدو سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ سلم نے جب شاہ ایران خسرو پرویز کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے آپ کے نامہ مبارک کو پھاڑ دیا، اور کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح لکھتا ہے، اور طیش میں آ کر والی یمن کو لکھا کہ محمد عربی کو گرفتار کر کے دربار میں حاضر کرے۔ اس طرح کی ناشائستہ حرکتوں کو دیکھ کر عرب نے طے کر لیا کہ اگر اہل ایران کوئی پیش قدمی کرتے ہیں تو ان کا غرور ضرور توڑ دیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ ایرانی فوج موقع پا کر کبھی بھی مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہمیں آنے والے خطرات سے پہلے ہی ہوشیار رہنا چاہیے۔ آپ نے اپنی فوجی طاقت مضبوط کی اور عراق کو (جو ان دنوں ایران کا ایک حصہ تھا) اسلامی سلطنت میں شامل کرنے کی جدوجہد میں لگ گئے۔

جنگ ذات السلاسل: ایران کی مرکزی حکومت ان دنوں کافی کمزور ہو چکی تھی، اس لیے سرحدی علاقے خودسر ہو گئے تھے اور عربوں سے چھیڑ چھاڑ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے، جس کی پاداش میں عرب کے قبیلہ وائل اور عراقیوں کے درمیان زبردست تناؤ پیدا ہو گیا، اس صورت حال کے پیش نظر قبیلۂ وائل کے سردار مثنیٰ بن حارث نے دربار خلافت سے عراق پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی، خلیفۂ رسول نے اجازت دے دی اور مدد کے لیے حضرت خالد بن ولید کو مامور کیا۔

حضرت خالد بن ولید نے والی عراق ہُرمز کو لکھا کہ مذہب اسلام میں داخل ہو جاؤ یا جزیہ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ، اس خط کو ہرمز نے اپنی مرکزی حکومت ایران بھیج دیا، اور خود ایک بھاری فوج لے

کر مقام کاظمہ میں حضرت خالد کے مقابلے میں آیا۔ ایران کے کچھ فوجیوں نے اپنے آپ کو آہنی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا تاکہ میدان جنگ سے فرار ممکن نہ ہو، اسی لیے اس جنگ کو جنگ ''ذات السلاسل'' کہتے ہیں اس جنگ میں مقابلہ سخت ہوا ہرمز کی فوج کو شکست فاش ہوئی، اور خود ہرمز حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا، فتح کی خبر جب دربار خلافت میں پہنچی تو خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور ہرمز کا بیش قیمت تاج حضرت خالد کو عنایت کیا۔[۳۵]

جنگ مَذار: شاہ ایران نے ہرمز کی مدد کے لیے مشہور سپہ سالار ''قارن'' کی قیادت میں ایک زبردست لشکر روانہ کیا، راستے میں جب اس نے ہرمز کی شکست کی خبر سنی تو رک گیا، حضرت خالد کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوج کا رخ ادھر موڑ دیا اور مَذار کے میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی، لشکر تھوڑی ہی دیر میں میدان چھوڑ کر بھاگ چلا، تیس ہزار ایرانی قتل ہوئے، یہ جنگ صفر ۱۲ھ میں پیش آئی۔[۳۶]

جنگ وَلَجہ: شہنشاہ ایران کو جب ''قارن'' کی بربادی کی خبر ملی تو اس نے ایک تازہ دم فوج اپنے سب سے بڑے سپہ سالار اَنْدَرْزَغَر کی سپہ سالاری میں اور دوسری فوج بَہْمَنْ جَاذَوَیہ کی سرکردگی میں بدلہ لینے کے لیے بھیجی۔ مقام وَلَجہ میں اسلامی فوج سے سامنا ہوا، بڑی خوں ریز جنگ ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید نے اپنی فوج کا ایک حصہ نشیبی علاقوں میں چھپا دیا تھا اور بقیہ حصہ برسر پیکار ہوا، جنگ زوروں پر تھی، حضرت خالد بن ولید مصلحتاً پیچھے ہٹتے رہے، جب اس نشیبی علاقہ سے آگے بڑھے تو چھپی ہوئی اسلامی فوج نے یک بارگی پیچھے سے حملہ کر دیا، اور حضرت خالد نے وہیں اپنے پیر جما دیے، اس دو طرفہ حملہ سے دشمنوں کی فوج حواس باختہ ہوگئی، اور راہ فرار اختیار کی، دشمن کے ہزاروں سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے، اور اندر زغر نے پیاس کی شدت سے راستے ہی میں دم توڑ دیا۔[۳۷]

جنگ اُلَیس: جنگ وَلَجہ میں بہت سے عرب عیسائی بھی ایرانیوں کے ساتھ صدمۂ شکست سے دوچار تھے، اس لیے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے انھوں نے کسریٰ سے فوجی مدد مانگی، اس نے بہمن جاذویہ کو حکم دیا کہ وہ عیسائیوں کی مدد کے لیے الیس روانہ ہوجائے، بہمن نے جابان کو ایرانی لشکر کے ساتھ روانہ کیا، اور وہ خود مشورہ کے لیے کسریٰ کے پاس چلا گیا، پھر اسے واپسی کا موقع نہ ملا، ''جابان'' عرب عیسائیوں کے پاس پہنچ گیا، ادھر حضرت خالد کو خبر ہوئی وہ فوج لے کر الیس پہنچے عیسائیوں سے مقابلہ ہوا، جابان شریک نہ ہوا، وہ عیسائیوں کو حوصلہ دیتا رہا، حضرت خالد نے عرب سردار کو قتل کر دیا، تاہم عرب عیسائی بڑے شد و مد کے ساتھ جنگ کرتے رہے، مگر بہمن کے نہ آنے کی وجہ سے ان کے حوصلے پست پڑنے لگے۔ حضرت خالد نے

۳۵: تاریخ ابن اثیر ج: ۲، ص: ۲۳۵۔ ۳۶: طبری، ج: ۲، ص: ۵۵۷۔ ۳۷: ابن خلدون، ج: ۳، ص: ۲۷۷۔

اپنی فوج کو دشمن پر بھر پور حملہ کرنے کا حکم دیا، جب مسلمانوں کا دباؤ برابر جاری رہا تو دشمن کی طاقت ٹوٹنے لگی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہونے لگے۔ حضرت خالد نے اعلان کر دیا کہ بھاگنے والوں کو زندہ گرفتار کر کے حاضر کیا جائے، اس طرح عرب عیسائی قیدی بنا کر لائے جانے لگے۔

الیس کے قریب اَمْغِیْشِیا نامی ایک شہر تھا، یہاں کے باشندوں نے بھی جنگ الیس میں عیسائیوں کی مدد کی تھی، جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت خالد بن ولید نے امغیشیا کا رخ کیا، وہاں کے باشندے جنگ کیے بغیر بھاگ چلے اور مسلمانوں کو کافی مال غنیمت ملا۔[۳۸]

ان شاندار فتوحات کے بعد آپ نے حِیْرَہ، اَنبار، عینُ التمر، دُومۃُ الجندل، حُصَید، مُصَیَّخ اور فِرَاض پر یکے بعد دیگر حملے کیے، وہاں کے فرماں رواؤں کو شکست دے کر اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع کیا۔

فتوحات شام ۱۳ھ: ملک شام رومی حکومت کے زیر تسلط تھا، عربوں سے شامی علاقوں کی حفاظت کے لیے قیصر روم نے شام سے متصل جنوبی سرحد پر قبیلہ غسان کی باج گزار حکومت قائم کر دی تھی۔ اس لیے شام کی سرحد پر رومیوں کی یورش کا زبردست خطرہ تھا، ان نازک حالات میں صدیق اکبر نے جیش اسامہ کے ذریعہ اسلامی حربی قوت سے شامیوں کو روشناس کرایا اور حضرت خالد کی قیادت میں عراق میں شاندار کامیابیوں نے مخالفین کی آنکھیں کھول دیں۔

اسلامی افواج کی حیرت انگیز فتوحات کی خبریں شامیوں کو برابر مل رہی تھیں، شامیوں کا خیال تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے عراق پر پے در پے حملے کر کے اسے اپنی حکومت کا جز بنا لیا، اسی طرح وہ شام پر بھی حملہ کر کے اپنی حکومت میں شامل کرنے کی کوشش کریں گے، اس لیے عرب کی جو سرحد شام سے ملتی تھی، اسے مضبوط کرنے کی کوشش کی تا کہ شروع ہی میں عربوں کی پیش رفت روکی جا سکے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شامی حکمرانوں کے خیالات اور ان کی تیاریوں سے غافل نہ تھے، عراق پر قبضہ کرنے کے بعد آپ نے شام پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا، عراق کی طرح شام کی سرحد پر بھی بنُوبَکر، بنو عَذرہ، بنو عَلوان، بنو بحرہ اور غسانی عرب قبائل آباد تھے، جو مذہباً عیسائی اور شام کی رومی سلطنت کے مطیع تھے، مگر مسلمانوں کو یہ توقع تھی کہ عرب مسلمانوں کی فتح و کامرانی سے متاثر ہو کر یہ عرب قبائل اپنے ہم قوم عربوں کی طرح اسلام قبول کر کے اسلام کی شوکت و اقتدار میں اضافہ کریں گے۔

دومۃ الجندل کی تسخیر نے مسلمانوں کے لیے شام پر فوج کشی کے راستے کھول دیے تھے، خالد بن سعید بن عاص "تَیْمَاء" میں سرحدی دستہ کے امیر تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ہدایت دی تھی کہ جب تک خلیفہ کے واضح احکام نہ پہنچیں وہ نہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور نہ دشمن

۳۸: تاریخ ابن اثیر ج: ۲ ص: ۲۳۷، ۲۳۸ (ملخصاً)

سے جنگ کا آغاز کریں، البتہ گردونواح میں آباد عرب قبائل کو ساتھ ملانے کی کوشش کریں، امیر خالد نے چند ہی دنوں میں ایک فوج تیار کرلی، جب قیصر روم کو شام کی سرحد پر اسلامی لشکر کے اجتماع کا علم ہوا تو اس نے حکم جاری کیا کہ سرحدی علاقوں میں آباد عیسائی عرب قبائل کی فوجی تنظیم کی جائے اور ''تیما'' میں مقیم اسلامی لشکر سے مقابلہ کیا جائے، حضرت خالد بن سعید نے شامیوں کی جنگی تیاری اور ان کی کثیر فوج کی اطلاع دربار خلافت میں کردی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد شام پر لشکر کشی کے لیے پورے انہماک کے ساتھ کوشش شروع کردی، چوں کہ قیصر روم کی طاقت اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی، اس سے مقابلہ آسان نہ تھا، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حجاز اور یمن کے تمام امرا کے نام شرکت جہاد کے دعوت نامے بھیجے، سب نے بڑی خوش دلی اور جوش وخروش کے ساتھ دعوت پر لبیک کہا اور مدینہ کا رخ کیا۔

خالد بن سعید مدینہ سے آنے والی فوجی امداد پر اعتماد کر کے ''تیما'' سے آگے بڑھے شامیوں کا لشکر جو ''باہان'' کی قیادت میں پیچھے ہٹا، خالد آگے بڑھے، وہ باہان کی جنگی چال نہ سمجھ سکے اور جوش جہاد میں آگے بڑھتے چلے گئے، خالد بن سعید مَرج الصُّفَّر میں تھے کہ باہان اچانک راستہ بدل کر پیچھے آگیا اور اسلامی لشکر کا راستہ روک دیا، خالد کا بیٹا ایک دستہ کے ساتھ الگ تھا، باہان کے فوجیوں نے پورے دستہ کو شہید کر ڈالا، اس واقعہ نے خالد کو سراسیمہ کردیا، وہ لشکر اسلام عکرمہ کی قیادت میں چھوڑ کر چند آدمیوں کے ہمراہ مدینہ کے قریب ''ذُوالْمَرْوَہ'' پہنچ گئے، خالد کے ساتھ ولید بن عَقْبَہ بھی ''ذُوالْمَرْوَہ'' چلے آئے تھے، خالد کی ہزیمت کے باوجود حضرت ابوبکر کے حوصلے میں کوئی فرق نہیں آیا۔

حضرت ابوبکر نے شام کے محاذ پر یکے بعد دیگرے متعدد فوجیں روانہ کیں جو شام کے مختلف علاقوں میں اس طرح فروکش ہوئیں، ابوعبیدہ دمشق کے راستے میں، شُرحبیل بن حسنہ ''طبریہ'' اور دریائے اردن کے بالائی حصہ میں، یزید بن ابی سفیان ''بلقاء'' میں جہاں سے بصرہ پر آسانی سے حملہ کرسکیں، عمرو بن عاص نے ''جرون'' کو فتح کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔

جب قیصر روم کو اسلامی فوج کی پیش رفت کا علم ہوا تو اس نے رومیوں کے لشکر اس طرح روانہ کیے۔ اپنے بھائی تذارق کو نوے ہزار سپاہ کے ساتھ عمرو بن عاص کے مقابلہ میں، قیقار بن نسطوس کی قیادت میں ساٹھ ہزار کا لشکر ابوعبیدہ کے مقابلہ میں، دُراقص کی سربراہی میں چالیس ہزار کی فوج شرحبیل بن حسنہ کے مقابلہ میں، جرجہ بن تذارق یزید بن ابی سفیان کے مقابلہ میں۔[۳۹] ہرقل خود حمص میں مقیم تھا اور تمام حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا۔ ادھر تمام اسلامی افواج

---

۳۹ تاریخ ابن اثیر ج ۲، ص ۲۵۱۔ خلفائے راشدین ۱۲۳ تا ۱۲۹ ملخصاً۔

کی مجموعی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی، ان حالات میں دشمنوں سے علاحدہ، علاحدہ جنگ کرنا اسلامی لشکروں کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، چنانچہ اسلامی افواج کے امیروں نے اس نازک صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے رائے طلب کی، حضرت عمرو بن عاص نے مشورہ دیا کہ اس نازک موقع پر دشمن سے علاحدہ، علاحدہ جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے سودمند نہ ہوگا، اس لیے تمام اسلامی فوجوں کو یک جا ہوکر مقابلہ کرنا چاہیے، دربارِ خلافت سے بھی یہی حکم ملا۔

جنگ یرموک : چاروں اسلامی لشکر یک جا ہوکر مقام یرموک میں فروکش ہوئے، رومی لشکر نے بھی یرموک میں پڑاؤ ڈال دیا۔ لیکن یہ میدان تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا، اور باہر نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جس پر مسلمان قابض تھے، اس طرح رومی گھر گئے، اس نازک صورت حال کی وجہ سے دونوں فوجیں دو ماہ تک میدان جنگ میں پڑی رہیں کبھی کبھی معمولی جھڑپ ہوجایا کرتی، مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس حال سے باخبر کیا، اس پیچیدہ صورت حال سے نپٹنے کے لیے حضرت صدیق اکبر نے نڈر اور بے باک سپہ سالار حضرت خالد بن ولید کا انتخاب کیا، حکم پاتے ہی آپ یرموک کی طرف روانہ ہوگئے، بڑی تیزی کے ساتھ آپ یرموک پہنچے اور اسلامی افواج کی کمان سنبھالی، دوسری طرف باہان متحدہ رومی افواج کی قیادت کے لیے یرموک پہنچ چکا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک ماہ کے دوران قیام رومی لشکر کی نقل وحرکت اور اس کی جنگی تیاریوں کا بغور جائزہ لے لیا، رومیوں کا ٹڈی دل لشکر دو لاکھ سے زیادہ تھا، اور ادھر اسلامی لشکر کی کل تعداد چھیالیس ہزار تھی، اس لیے حضرت خالد نے ایک نیا انداز جنگ اختیار کیا، پوری فوج کے اڑتیس دستے کیے تاکہ مسلمانوں کی تعداد اصل سے کئی گنا نظر آئے۔ قلب لشکر کا امیر ابوعبیدہ کو بنایا ان کی کمان میں ۱۸ر دستے تھے، میمنہ پر عمرو بن عاص کو امیر بنایا ان کے ماتحت، ۱۰ر دستے رکھے، میسرہ کا سردار یزید بن ابی سفیان کو بنایا ان کی قیادت میں ۱۰ر دستے رکھے ہر دستے کے بھی الگ الگ امیر تھے جو اپنے اپنے امیر کے مطیع تھے۔

دوسری جانب رومی فوج مسلح تھی۔ عیسائی پادری اپنی پرجوش تقریروں سے فوجیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال کی آگ بھڑکا رہے تھے، رومی میدان یرموک میں فیصلہ کن جنگ کے لیے صف بستہ ہوگئے۔ ادھر مسلمانوں نے بھی صفیں درست کیں اور حضرت خالد بن ولید نے بارگاہ خداوندی میں مسلمانوں کی فتح ونصرت اور عزت ووقار کی دعا کی، اس کے بعد آپ نے مجاہدین اسلام سے فضیلت جہاد اور جنگی پیش رفت کے تعلق سے ایک بلیغ خطاب کیا، اس تقریر نے مجاہدین اسلام میں بے پناہ جوش جہاد بھر دیا، ان کی نگاہوں میں رومیوں کا صحرا کی طرح

پھیلا ہوا لشکر بے حقیقت نظر آنے لگا۔ اللہ کی نصرت و حمایت پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی دستے آگے بڑھے اور رومیوں سے نبرد آزما ہو گئے۔ رومیوں نے شدت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا، مسلمان ذرا پیچھے ہٹے، یہ دیکھ کر عکرمہ بن ابی جہل نے چار سو آدمیوں سے موت پر بیعت لے لی، شوق شہادت میں سرشار ہو کر عکرمہ، عمرو بن عکرمہ، ضرار بن ازدر، حارث بن ہشام چار سو مجاہدین کے ساتھ رومی لشکر پر ٹوٹ پڑے، اس ناگہانی حملہ نے رومیوں کو ڈگمگا دیا، اسی دوران رومی لشکر کے ہراول دستہ کے سردار جرجہ نے خالد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا، اور اپنے دستہ کے ساتھ اسلامی فوج میں شامل ہو گیا۔ جس سے رومیوں میں مزید بدحواسی پیدا ہو گئی، جب خالد نے رومی لشکر کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو انہوں نے اپنے لشکر کو بڑھنے اور حملہ کرنے کا حکم دیا، عکرمہ کے دستے کا زور کیا کم تھا، جواب خالد کے لشکر نے قیامت ڈھانی شروع کی تو رومیوں کے لیے کوئی جائے فرار نہ تھی۔

رومی بھی جان توڑ کر لڑے ان کی جواں مردی کی وجہ سے کافی دیر تک لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ شام ہو گئی، مگر لڑائی جاری رہی، سورج غروب ہونے تک رومیوں میں ضعف کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اور وہ بھاگنے کے لیے کسی راستہ کی تلاش میں تھے۔ خالد نے اندازہ کرلیا کہ رومیوں کا گریز ان کے حق میں ہزیمت کا سبب ہوگا، اس لیے انہوں نے اپنے بہادروں کو ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا، رومیوں نے جب راستہ کھلا دیکھا تو اپنے گھوڑوں کو بے تحاشا دوڑاتے ہوئے راہ فرار اختیار کی، جب میدان رومی سواروں سے خالی ہو گیا تو مجاہدین اسلام ان کے پیدل دستے پر ٹوٹ پڑے اور ان کا صفایا کرنا شروع کردیا۔ اس جنگ میں ایک لاکھ سے زیادہ رومی جہنم رسید ہوئے، تذارق، قیقار اور دوسرے سردار تہِ تیغ کر دیے گئے، باہان نے بھاگ کر جان بچائی۔ تین ہزار مجاہدین شہید ہوئے، اس تاریخی معرکہ میں مجاہدین نے بے نظیر جرأت و ہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا، جو تاریخ کے صفحات پر لاثانی نقش بن گیا ہے۔

جمادی الآخرہ ۱۳ھ میں یرموک کا تاریخی معرکہ پیش آیا، عین دوران جنگ دربار خلافت کے قاصد مَحْمِیَہ بن زُنَیم میدان کارزار میں امیر المومنین عمر بن خطاب کا پیغام لے کر پہنچے (جنہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کاروبار خلافت سنبھال لیا تھا) محمیہ نے خالد کو ایک خط دیا، جس میں حضرت عمر نے اسلامی افواج کی سپہ سالاری سے انہیں معزول کردیا تھا، ایک دوسرا خط ابو عبیدہ بن جراح کے نام بھی تھا جس میں خالد کی معزولی کے بعد اسلامی افواج کی قیادت انہیں تفویض کی گئی تھی، مورخین کا خیال ہے کہ ابو عبیدہ نے دمشق کی فتح تک خالد ہی کو سپہ سالار رکھا، اپنی معزولی کے باوجود خالد ذرا بھی مضمحل نہ ہوئے اور پوری قوت کے ساتھ شام کے محاذ پر لڑتے رہے۔[۴۰]

۴۰: خلفاے راشدین ص: ۱۲۳، تا ۱۳۴ بحذف و اضافہ)

مرض الموت اور عمر فاروق کی جانشینی: ۷؍جمادی الآخرہ ۱۳ھ کو موسم سرد تھا، خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غسل کیا، سردی کے اثر سے بخار ہو گیا، پندرہ دن علیل رہے، جب مسجد تک جانے کی قوت نہ رہی تو عمر فاروق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، جب مرض نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے کبار صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا دیا۔

۲۲؍جمادی الآخرہ ۱۳ھ۔ مطابق ۶۳۴ء دوشنبہ کا دن گزار کر مغرب اور عشا کے درمیان آپ نے وفات پائی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اسی شب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح دفن کیے گئے کہ ان کا سر رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم کے شانہ کے مقابل رہا۔ عمر ۶۳ ؍سال تھی، ایام خلافت دو برس تین مہینے گیارہ دن تھے۔

حلیہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سراپا یہ تھا۔
رنگ سفید، اکہرا بدن، دونوں رخسار اندر کو دبے ہوئے، پیٹ اتنا بڑا کہ ازار اکثر نیچے کھسک جاتا، پیشانی ہمیشہ عرق آلود رہتی، چہرے پر گوشت زیادہ نہ تھا، نظریں نیچی رکھتے، پیشانی بلند و کشادہ، انگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی، حنا اور کسم کا خضاب لگاتے۔[۴۱]

ازواج واولاد: حضرت ابوبکر نے متعدد نکاح کیے جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں۔
(۱) قتیلہ بنت عبدالعزی، ان سے حضرت عبداللہ اور اسما پیدا ہوئے۔
(۲) ام رومان بنت عامر بن عمیرہ، ان کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ تولد ہوئے۔
(۳) اسما بنت عمیس، ان سے محمد ابن ابی بکر پیدا ہوئے۔
(۴) حبیبہ بنت خارجہ، ان سے حضرت ابوبکر کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔[۴۲]

سوالات

(۱) (الف) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام، لقب اور کنیت بتاؤ۔
(ب) شجرۂ نسب بیان کرو۔
(۲) (الف) قبول اسلام سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قریش کے درمیان کیا مرتبہ تھا؟ ان کی وہ صفت بیان کرو جو انہیں تمام قریشیوں سے ممتاز کرتی ہو۔
(ب) قبول اسلام کا واقعہ بیان کرو اور یہ بھی بتاؤ کہ سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟
(ج) اشاعت اسلام کی سرگرمیاں بیان کرو۔
(۳) ہجرت حبشہ کی کیفیت بیان کرو۔
(۴) (الف) حضرت ابوبکر کی ہجرت مدینہ کا سبب اور اس کی تیاریوں پر روشنی ڈالو۔

[۴۱] بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ تاریخ الخلفاء ص:۲۹ [۴۲] خلفائے راشدین ص : ۱۶۳

(ب) غارِ ثور میں جا کر صدیق اکبر نے سب سے پہلے کون سا کام کیا اور اس میں کون سا اہم واقعہ پیش آیا تفصیل سے بیان کرو۔
(ج) سراقہ بن جعشم کا تعاقب اور اس میں پیش آنے والے واقعات بیان کرو۔
(د) اہل مدینہ کا استقبال اور مدینہ میں داخلہ کی کیفیت بیان کرو۔
(۶) (الف) جنگ بدر میں صدیق اکبر نے کس کس حیثیت سے شرکت کی؟ بیان کرو۔
(ب) جنگ احد میں آپ کی کیا قربانیاں رہیں؟
(۷) غزوۂ بنی مصطلق اور غزوہ خندق اور غزوۂ خیبر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شرکت کس حیثیت سے تھی؟
(۸) (الف) جس سفر میں حدیبیہ کی صلح پیش آئی اس سفر میں صدیق اکبر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مشورہ دیا؟
(ب) عروہ بن مسعود نے کیا کہا؟ جواب میں صدیق اکبر نے کیا فرمایا؟
(۹) (الف) فتح مکہ کے وقت آپ کس انداز سے مکہ میں داخل ہوئے؟
(ب) ابوقحافہ کون ہیں ان کے ایمان لانے کی کیفیت بیان کرو۔
(ج) غزوۂ تبوک کے موقع سے صدیق اکبر نے کس انداز سے چندہ پیش کیا؟
(۱۰) امامت حج اور تفویض امامت کے تعلق سے حضرت صدیق اکبر کی حیثیت متعین کرو۔
(۱۱) وصال رسول کے وقت جب افراتفری کا عالم تھا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجمع کو کیسے قابو میں کیا؟
(۱۲) (الف) سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت صدیق نے خلافت کے تعلق سے کیا خطبہ ارشاد فرمایا؟ خلاصہ پیش کرو۔
(ب) حضرت بشیر بن سعد انصاری کی تقریر کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے یہ بتاؤ کہ بیعت خلافت کا عمل کیسے انجام پایا؟
(ج) بیعت عام کب اور کہاں عمل میں آئی؟ خلیفہ بننے کے بعد حضرت صدیق نے اپنے طرز حکومت کے سلسلہ میں کیا خطبہ دیا؟ بیان کرو۔
(۱۳) جیش اسامہ کی تفصیلات بیان کرو۔
(۱۴) منکرین زکوۃ کے ساتھ حضرت صدیق نے کیا سلوک برتا؟ بیان کرو۔
(۱۵) (الف) مدعیان نبوت کے نام بتاؤ۔
(ب) اسود عنسی کا نام اور قبیلہ کیا تھا، اس نے کب دعوائے نبوت کیا اور کب قتل کیا گیا، قتل کی کیفیت کیا تھی؟ بیان کرو۔
(ج) مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کس مضمون کا خط لکھا اور رسول کریم نے اس کا کیا جواب دیا؟ ساتھ ہی جنگ یمامہ کی تفصیل بھی لکھو۔
(د) طلیحہ اسدی اور سجاح کی جھوٹی نبوت کی سرگرمیاں بیان کرتے ہوئے بتاؤ کہ ان کی کوشش کس حد تک کامیاب رہی؟
(۱۶) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جمع قرآن کے لیے کیسے راضی ہوئے اور جمع وتدوین کے لیے آپ نے کیا انتظام فرمایا؟
(۱۷) عراقی فتوحات کا ایک اجمالی تعارف پیش کرو۔
(۱۸) حضرت خالد بن سعید کی قیادت والی فوج کا شامیوں سے کہاں مقابلہ ہوا اور جنگ کا انجام کیا رہا؟
(۱۹) جنگ یرموک کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر کیسے ترتیب دیا اور رومیوں کے لشکر کی ترتیب کیا تھی؟
(۲۰) میدان یرموک میں جنگ کی صورت حال پر تفصیلی روشنی ڈالو۔
(۲۱) (الف) حضرت صدیق اکبر کا مرض وفات کب شروع ہوا؟ وفات کب ہوئی؟ کہاں دفن ہوئے؟ مدت خلافت کیا تھی؟ (ب) آپ نے کس کو اپنا جانشین بنایا؟
(۲۲) (الف) حضرت صدیق اکبر کا حلیہ بیان کرو۔
(ب) بیویوں اور اولاد کے نام بتاؤ۔

خلیفۂ دوم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نام ونسب: نام عمر، کنیت ابوحفص، لقب فاروق ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رِیاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لُوَیّ بن غالب قرشی، عدوی۔

آپ عامِ فیل کے تیرہ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ والدہ کا نام حَنتَمہ تھا، وہ ہاشم بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی بیٹی تھیں۔

خاندانی حالات: آپ اشراف قریش میں سے تھے، زمانۂ جاہلیت میں عہدۂ سفارت آپ ہی کے خاندان میں تھا، قریش کے درمیان یا قریش اور غیر قریش کے درمیان نزاعی صورت پیدا ہو جاتی تو آپ ہی کے خاندان کے افراد صلح وصفائی کے لیے سفیر بنا کر بھیجے جاتے اور اگر کبھی نسب پر اظہار تفاخر کی ضرورت پیش آتی تو اس کام کے لیے بھی آپ ہی کے خاندان کے افراد بھیجے جاتے[1]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چوں کہ فن سپہ گری اور خطابت سے کافی دل چسپی تھی، دور دراز کے سفر نے آپ کو معاملہ فہم اور عالی دماغ بنا دیا تھا، اس لیے سفارت کا خاندانی منصب آپ کے حوالے ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب اپنی قوم میں معزز انسان تھے، تند خوئی اور سخت مزاجی میں مشہور تھے، قدیم عرب میں اولاد کی کثرت پر فخر کیا جاتا تھا، اس لیے خطاب نے کثرت اولاد کے لیے متعدد شادیاں کیں، خطّاب ایک ذہین اور بڑے بہادر انسان تھے، مختلف معرکوں میں بنوعدی کے جنگی سردار کی حیثیت سے جرأت و پامردی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن وہ خاندان جس میں عمر بن خطاب جیسی شخصیت پیدا ہوئی اسے اپنے فخر و امتیاز کے لیے کسی اور سہارے کی کوئی حاجت نہیں[2]۔

ابتداے اسلام میں دیگر سرداران قریش کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسلام اور

---

[1]: الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج:۲، ص:۵۱۸ والاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب تذکرہ عمر بن خطاب واسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج:۴، ص:۱۴۵، ۱۴۶

[2]: خلفاے راشدین، ص:۱۶۶، ۱۶۷۔

مسلمانوں کے جانی دشمن تھے، قبول اسلام ان کی نظر میں بہت بڑا جرم تھا، جو شخص نیا مسلمان ہوتا وہ ہر طرح کی سزا کا مستحق ہوتا، اور اس کے لیے وہ ہر ممکن تکلیف پہنچانا روا سمجھتے تھے، ان کی ہمت و جرأت کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام کی بڑی فکر تھی، آپ نے دعا فرمائی۔

مولاے کریم! عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے جو تجھے محبوب ہو اس سے اسلام کو عزت عطا فرما۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی:

اے اللہ! خاص طور سے عمر بن خطاب کو مسلمان بنا کر اسلام کو عزت عطا فرما۔[۲]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول ہوئی اور آپ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

قبول اسلام: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ۶ ؁ نبوی میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے تین دن بعد مسلمان ہوئے۔ آپ اسلام کے بہت سخت دشمن تھے اور جو لوگ اسلام لاتے ان پر جتنا قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہ کرتے۔ لیکن جسے اسلام کا نشہ چڑھ جاتا اتر تا نہ تھا۔ ان کی یہ تمام سختیاں کسی کو اسلام و ایمان سے برگشتہ نہ کر سکیں۔ آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ کیوں نہ محمد عربی ہی کا قصہ پاک کر دیا جائے۔ اسی خیال میں تلوار لٹکائے ہوئے نکلے کہ راستے میں نُعَیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی، پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا محمد کا سر قلم کرنے جارہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اپنے گھر کی خبر لو تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے گھر پہنچے، دروازے پر دستک دی، گھر سے کچھ پڑھنے کی آواز آرہی تھی۔ دروازہ کھلا، اندر گئے، پوچھا کیا ہو رہا ہے؛ جواب ملا کچھ نہیں۔ عمر کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ بد مذہب ہو چکے ہو، اس کے بعد بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے خوب مارا پیٹا، جب بہن یہ حالت دیکھ کر بچانے کے لیے پہنچیں تو ان کی بھی خبر لی، ان کا بدن بھی لہولہان ہو گیا، عمر بن خطاب کا یہ رویہ دیکھ کر بہن نے کہا: عمر! تمہیں جو کرنا ہے کرلو، لیکن اسلام دل سے نہیں نکل سکتا، اس جملے نے حضرت عمر کے دل پر بڑا گہرا اثر ڈالا، بہن (فاطمہ) کا عزم اور لہولہان بدن دیکھ کر محبت پیدا

۲: تاریخ الخلفاء ص: ۸۶، ۸۷۔

ہو گئی، کہا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ بہن نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھ دیے جب آپ نے دیکھا تو اس میں یہ سورہ لکھی ہوئی تھی۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰاتِ وَ مَا فِي الارضِ وَهُو الْعَزِيزُ الحَكِيمُ. ۳؎

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

حضرت عمر پڑھتے جاتے اور ایک ایک لفظ پر ان کی حالت بدلتی جاتی، جب اس آیت پر پہنچے۔اٰمِنُوا باللہِ وَرَسُولہ تو بے اختیار پکار اٹھے، **اشهد أن لا اله الا الله واشهد أن محمداً رسول اللّٰہ۔**

اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے قریب ارقم کے مکان میں تشریف فرما تھے حضرت عمر شمشیر بہ کف وہاں پہنچے، انہیں اس حالت میں دیکھ کر صحابہ پریشان ہو گئے، حضرت حمزہ نے کہا آنے دو، اگر نیک نیتی سے آرہے ہیں تو ٹھیک، ورنہ انہیں کی تلوار سے ان کی گردن جدا کردی جائے گی، حضرت عمر نے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آگے بڑھ کر ان کا دامن پکڑلیا اور فرمایا کیوں عمر! کس مقصد سے چلے ہو، نبوت کی رعب دار آواز نے عمر کے اندر کپکپی پیدا کردی۔ بڑی ہی عاجزی کے ساتھ عرض کیا ایمان لانے، یہ خوش کن جملہ سن کر آقاے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کے اندر ایک انقلاب پیدا ہو گیا، اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی، عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ بھی ایمان لا چکے تھے، لیکن علانیہ مذہبی فرائض ادا کرنے کی ہمت نہ تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد یہ حالت بدل گئی۔ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ سرکار نے فرمایا کیوں نہیں، بے شک ہم حق پر ہیں۔ آپ نے عرض کیا کہ پھر یہ چھپ چھپ کر رہنا کیا؟ وہ فرماتے ہیں کہ ہم مسلمان دار ارقم سے دو صفیں بنا کر نکلے، ایک کی سربراہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کررہے تھے اور ایک کی میں۔ اسی شکل میں ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی۔ اسی روز رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو ''فاروق'' کا لقب عطا فرمایا۔ یعنی اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والا۔

۳؎ ۲۸/۱۔ سورہ حشر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنا اسلام ظاہر کیا تو ابتداءً کافروں نے آپ کو بڑی اذیت پہنچائی، لیکن یہ اسلام کا نشہ تھا کہ چڑھتا ہی چلا گیا، ان صبر آزما حالات میں آپ اسلام پر ثابت قدم رہے۔

ہجرت: اسلام کا دائرہ جس قدر بڑھتا جاتا مسلمانوں سے کفار مکہ کی دشمنی اتنی ہی تیز ہوتی جاتی۔ ہر ممکن طریقے سے وہ اسلام کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔ ابو طالب کی زندگی میں علانیہ کچھ نہ کر سکے۔ لیکن انتقال کے بعد ہر طرف سے علانیہ مخالفت شروع ہوگئی۔ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا ظلم کا نشانہ بناتا۔ یہ ایمانی جوش تھا جس نے مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھا ظلم و ستم کا یہ دور تقریباً پانچ چھ سال تک رہا۔ اسی دوران مدینہ کے چند باوقار حضرات اسلام سے وابستہ ہوگئے، یہ صورت حال دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ جو لوگ ظلم و ستم سے نجات چاہتے ہیں وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

یہ اعلان سن کر سب سے پہلے مُصعَب بن عُمیر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی پھر حضرت ابن ام مکتوم نے اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔[۴]

آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ پہلے مسلمان چھپ چھپ کر ہجرت کرتے تھے، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے تلوار گردن پر لٹکائی، کمان شانے پر رکھی اور ترکش سے تیر نکال کر ہاتھ میں لے لیا، پھر کعبہ معظمہ میں حاضر ہوئے، اشراف قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا، مقام ابراہیم پر حاضر ہو کر اطمینان سے نماز ادا فرمائی، پھر اشراف قریش کی مجلس میں آئے اور ہر ایک سے فرداً فرداً کہا، تمہارے چہرے بدصورت ہو جائیں، تمہارا ناس ہو۔ اگر کوئی اپنی ماں کو بے اولاد، بیٹے کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنا چاہتا ہو، تو آئے وادی کے پیچھے مقابلہ کر لے۔ لیکن کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ راستہ روکتا۔[۵]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ۱۳ نبوی مطابق ۶۲۲ عیسوی میں مکہ چھوڑا اور مدینہ کو رونق بخشی۔ مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت اور بھائی چارہ قائم کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رشتۂ اخوت قبیلۂ بنو سالم کے سردار عِتبان بن مالک سے قرار پایا۔

۴: اسد الغابہ۔ ۱۵۳/۴۔ ۵: اسد الغابہ ۱۵۳/۴۔

اذان : مدینہ پہنچنے کے بعد جب دشمنوں کی طرف سے سکون ملا تو سب سے پہلے اس بات پر مشورہ ہوا کہ نماز کے اعلان کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ایک ناقوس بنالیا جائے اور بعض نے کہا کہ یہودیوں کے سنکھ کی طرح ایک سنکھ بنالیا جائے، جب نماز کا وقت ہو تو بجایا جائے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیوں نہ ہو کہ ایک آدمی کو اعلان پر مقرر کر دیا جائے، یہ رائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئی آپ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔[۶]

اذان اسلام کا عظیم شعار ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہت بڑے فخر کی بات ہے کہ یہ شعار اسلام ان کی رائے کے موافق ہوا۔

غزوات میں شرکت : حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد کفار مکہ کے اندر ایک طرح کی بے چینی پیدا ہوگئی کہ اگر مسلمانوں کی روک تھام نہ کی گئی تو وہ ایک دن زبردست طاقت بن کر ابھریں گے۔ اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریا شروع کر دیں، پہلے چھوٹی چھوٹی جماعتیں آگے بڑھیں، خبر پاکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقابلے میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بھیجیں جس کی وجہ سے ان کی پیش قدمی رک گئی۔

غزوۂ بدر : ۲ھ مطابق ۶۲۴ء میں بدر کا معرکہ پیش آیا، رمضان کی ۸/تاریخ تھی، اس جنگ میں کفار کو شکست فاش ہوئی، ۱۴/مسلمان شہید ہوئے، قریش کے ۷۰/آدمی قتل کیے گئے اور ۷۰/گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں زیادہ تر سرداران قریش اور رؤسائے مکہ تھے، اس لیے ان کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شجاعت و بہادری کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خادمانہ حاضر رہے۔ لیکن چند دیگر خصوصیات ایسی ہیں جنھیں ہر ذی فہم محسوس کر سکتا ہے۔

(۱) اس جنگ میں قریش کے تمام قبیلوں نے حصہ لیا، مگر بنو عدی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلے کا کوئی فرد شریک جنگ نہ ہوا۔ (طبری) اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب کا اثر کہا جا سکتا ہے۔

(۲) اس جنگ میں سب سے پہلے جس نے شہادت پائی وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۶۔ بخاری اول ص: ۸۵ کتاب الاذان۔

کا غلام مُہْجَع تھا۔ (ابن ہشام)

(۳) عاص بن ہشام بن مغیرہ جو رشتہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا آپ ہی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ (استیعاب)

(۴) حضرت عمر کے ساتھ ان کے قبیلے کے بارہ آدمی شریک تھے۔

گرفتار ہونے والوں کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے رائے طلب فرمائی کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، صحابہ نے مختلف رائیں دیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں کچھ فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ اسلام کے معاملہ میں رشتہ اور قرابت کا کوئی دخل نہیں، انہیں قتل کر دینا چاہیے، وہ بھی اس طرح کہ جو جس کا قریبی ہو وہ اس کا قتل کرے، علی عقیل کی گردن اڑائیں، حمزہ عباس کا سر قلم کریں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے میں اس کی گردن ماروں، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ مروت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَان كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسرىٰ حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الاَرْضِ. تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنيا واللهُ يُرِيدُ الآخِرَةَ واللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. [۱]

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے، تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

اسیران بدر کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے وحی الٰہی کے موافق ہوئی، جس سے بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو مزید اعتبار حاصل ہو گیا۔

غزوۂ اُحُد: شوال ۳ھ مطابق ۶۲۵ء میں غزوۂ احد کا مشہور معرکہ پیش آیا، اس جنگ میں پہلے مسلمانوں نے غلبہ حاصل کیا، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہارنی پڑی۔ دشمن کا ریلا اتنا سخت تھا کہ مسلمان اس کے سامنے نہ رک سکے۔ موقع پا کر کفار نے نبی اکرم صلی اللہ وسلم پر یورش کر دی، آپ پر تیر اور پتھر برسائے، آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے، پیشانی پر زخم آیا، رخسار مبارک میں خود کی کڑیاں چبھ گئیں، آپ ایک گڈھے میں اتر گئے اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، اسی

[۱] سورہ انفال آیت ۶۷۔ پ ۱۰۔ مسلم ج: ۲، ص: ۹۳، کتاب الجہاد والسیر باب امداد الملائکہ۔

بدحواسی کے عالم میں یہ غلط خبر گشت کرنے لگی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، یہ منحوس خبر سن کر کچھ مجاہدین نے بے تحاشا لڑنا شروع کر دیا کہ جب ہمارے آقا ہی نہیں رہے تو ہم جی کر کیا کریں گے، کچھ نے جنگ سے ہاتھ روک لیا کہ جب رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہ رہے تو ہم لڑ کر کیا کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی دوسرے گروہ میں شامل تھے۔ جب انہیں رسول اکریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی خبر ملی تو سر بہ کف خدمت میں حاضر ہوئے اور محافظین میں شامل ہو گئے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا تو پہاڑ پر چڑھا اور چیخ کر کہنا شروع کیا۔

اَنۡعَمۡتَ فِعَال وإنَ الْحَربَ سِجال، يَوۡمٌ بِيَومٍ ، أعُلِ هُبَل.

اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے اے ابوسفیان تو نے بڑا اچھا کیا، جنگ میں الٹ پلٹ ہوتی ہی ہے، ایک جنگ دوسری جنگ کا بدلہ ہوتا ہے۔ اے ہبل تو سر بلند ہو،

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کھڑے ہو کر جواب دو اور کہو۔

اَللّٰهُ اَعۡلىٰ وَأجَلُّ ،لاسَوَاءَ قَتۡلاَ نَا فِيۡ الۡجَنَّةِ وَقُتَلاكُمۡ فِيۡ النَّارِ .

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے، ہمارے تمہارے درمیان کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں اور تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے۔

اس جواب پر ابوسفیان نے کہا عمر! ذرا میرے پاس آؤ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ دیکھو کیا حال ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ گئے تو ابوسفیان نے کہا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں سچ سچ بتاؤ کیا ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے، حضرت عمر نے جواب دیا، نہیں بالکل نہیں وہ تو اس وقت بھی تمہاری باتیں سن رہے ہیں، ابوسفیان نے کہا تم میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچے اور دیانت دار ہو وہ کہتا تھا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔[8]

اسی سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کیا گیا، اس واقعہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔

۸: سیرت ابن ہشام۔ص:۹۳۔۹۴۔مصر

غزوۂ احزاب: ۵ھ میں غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) پیش آیا، اس جنگ میں عرب کی تمام اسلام دشمن طاقتیں مدینہ پر چڑھائی کے لیے کمربستہ تھیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اردگرد خندق کھدوائی اور دفاعی جنگ کا اہتمام کیا۔ دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا، وہ کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے اس لیے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی روک تھام کے لیے خندق کے اردگرد کچھ فاصلے پر صحابہ کرام کو متعین فرمادیا تھا۔ ایک حصہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعین تھے، چنانچہ اس حصہ پر ان کے نام سے منسوب ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔

ایک روز کفار سے مقابلہ میں اس قدر مصروفیت بڑھ گئی کہ عصر کی نماز قضا ہوگئی، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر آپ نے عرض کیا کہ آج کافروں نے اتنا مصروف رکھا کہ نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا، رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک میں نے بھی نماز عصر نہیں پڑھی ہے۔ اس کے بعد ہم مقام بُطحان پر گئے، حضور نے بھی نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی سورج ڈوبنے کے بعد ہم نے عصر پڑھی اس کے بعد مغرب پڑھی [9]

ایک ماہ تک دشمن کا محاصرہ رہا، لیکن مسلمانوں کے عزم واستقلال نے کفار کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا اس طرح میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

صلح حُدَیبِیَہ: ذوالقعدہ ۶ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے، آپ نے صحابہ کو ہتھیار لینے سے منع کردیا کہ کہیں کفار مکہ کو جنگ کا اندیشہ نہ ہو، جب ذُوالحُلَیفَہ پہنچے تو حضرت عمر بن خطاب کو خیال آیا کہ دشمن کے علاقے میں بغیر ہتھیار کے جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ چناں چہ آپ کے مشورہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے اسلحے منگوائے۔

جب مسلمان مقام حدیبیہ میں پہنچے تو کفار نے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ جنگ کرنے کا نہ تھا، اس لیے آپ نے ان کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرلی۔ بظاہر یہ صلح بہت دب کر کی گئی تھی اور اس میں مسلمانوں کا سراسر نقصان معلوم ہو رہا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بے قراری بڑھتی رہی۔ ضبط کا یارا نہ رہا تو حضرت صدیق اکبر کے پاس گئے اور کہا: اے ابوبکر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں؟ کیا مکہ والے مشرک نہیں؟ حضرت ابوبکر

۹: بخاری کتاب الصلوۃ ص: ۱۲۳۔ باب ۳۸، حدیث ۵۹۶، بیروت

صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیوں نہیں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اس طرح دب کر صلح کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا عمر! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کر رہے ہیں اسے دل و جان سے تسلیم کرو، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔
اس کے بعد آپ رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور وہی سوالات دہرائے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھ چکے تھے۔ آپ نے فرمایا عمر! سنو، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کرسکتا اور نہ وہ مجھ کو برباد کرے گا۔

اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تسلی ہوئی اور اپنے کیے پر ندامت، وہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے میں برابر صدقہ دیتا رہا، روزے رکھتا رہا، نماز پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔

جب معاہدۂ صلح تحریر کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس پر دستخط کیا۔ مدینہ کی واپسی پر راستے میں سورہ: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔[۱۰]

بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی۔ (کنزالایمان)

نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر فاروق کو بلا کر سنایا اور فرمایا آج ایسی سورہ نازل ہوئی جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے عزیز ہے۔[۱۱]

غزوۂ خیبر: ۷ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ سو صحابہ کے ساتھ خیبر کا رخ کیا، یہاں کے قلعے بڑے مستحکم تھے اس جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی سپہ سالاری عطا ہوئی، لیکن فتح اس وقت ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فوج کا سپہ سالار بنایا۔ فتح کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین مجاہدوں کے درمیان تقسیم کردی (ثَمْغ) نامی زمین کا ایک حصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملا۔ آپ نے اس حصہ زمین کو راہ خدا میں وقف کردیا۔[۱۲]

تاریخ اسلام کا یہ پہلا وقف تھا جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

فتح مکہ: صلح حدیبیہ کے معاہدے کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو قبیلہ قریش کے عہد و پیمان میں رہنا چاہے رہ سکتا ہے، اور جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکتا ہے، چنانچہ قبیلۂ بنی بَکْر نے قریش کے ساتھ دوستانہ تعلق پیدا کرلیا اور قبیلۂ بنی خُزَاعَہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرلیا۔ ان دونوں قبیلوں کے

۱۰: ۲۶/فتح۔ ۱۱: ابن ہشام ۲/۳۶۹۔ ۱۲: بخاری ج:۲، ص:۳۸۸، ۳۸۹، کتاب الوصایا، باب الوقف کیف یکتب رضا اکیڈمی ممبئی۔

درمیان پرانی دشمنی چلی آرہی تھی، اس صلح کی وجہ سے جب یک گونہ اطمینان حاصل ہوا تو بنو بکر نے موقع غنیمت سمجھ کر پرانا بدلہ لینے کی غرض سے بنو خزاعہ پر شعبان ۸ ھ میں حملہ کر دیا، اس حملے میں قریش نے بنو بکر کی ہتھیاروں سے مدد کی تھی، اور حملہ چونکہ رات میں ہوا تھا اس لیے تاریکی کا فائدہ اٹھا کر قریش کے کچھ آدمی لڑائی میں شریک بھی ہوئے۔

چونکہ بنو خزاعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر کے مسلمانوں کے ساتھی بن گئے تھے، اس لیے بنو خزاعہ پر حملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر حملہ کے برابر تھا۔ جب اس حملہ کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر مکہ کا رخ کیا، اسلامی لشکر بڑے ہی کروفر اور فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا، خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، مجرمین کی معافی اور جاں بخشی کا اعلان فرمایا، جب پروردگار نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مکہ کی فتح عطا فرمادی تو اہل مکہ پر حق ظاہر ہو گیا اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ سوائے اسلام کے اور کوئی راہ نجات نہیں، اس لیے وہ تابعدار بن کر بیعت کے لیے جمع ہوئے، رسول عالی وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لینی شروع کی، جب آپ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو وہیں صفا پر عورتوں سے بیعت لینی شروع کی وہ اس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے بیٹھے تھے اور آپ کے حکم پر عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور انہیں آپ کی باتیں پہنچا رہے تھے۔ اس موقع سے یہ امر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے بڑے اعزاز کی بات تھی۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوۂ حنین پیش آیا، اس غزوہ میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری اور شجاعت کے ساتھ شرکت کی۔

۹ ھ میں جب یہ خبر گشت کرنے لگی کہ قیصر روم مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور اخراجات کے لیے سرمایہ کی فراہمی کی ترغیب دلائی، صحابۂ کرام نے دل کھول کر حصہ لیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنی پوری دولت کا آدھا حصہ خدمت رسول میں پیش کیا۔ ضروری سامان کا انتظام کرنے کے بعد مجاہدین اسلام نے تبوک کا رخ کیا وہاں جانے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اس لیے چند دنوں قیام کے بعد مجاہدین واپس ہو گئے۔ اس کا نام غزوۂ تبوک ہے اور غزوۂ عُسرت بھی۔

وفاتِ رسول : ۱۰ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حَجَّةُ الْوَدَاع کے لیے تشریف لے گئے، واپسی پر ماہ ربیع الاول ۱۱ھ کے ابتدائی ایام میں بیمار پڑ گئے اور مختصر علالت کے بعد ۱۲/ربیع الاول بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس حادثۂ جاں کاہ کی خبر فوراً پھیل گئی، مسلمانوں پر غم و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، وفات کی خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش اڑ گئے، محبت رسول میں خود رفتہ ہو کر آپ نے یہ کہنا شروع کیا کہ اگر کسی نے کہہ دیا کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے تو میں اس کا سر قلم کردوں گا، لوگوں کا حال بھی ناگفتہ بہ تھا اور عمر فاروق اپنے موقف پر قائم تھے، مگر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجمع سے خطاب فرمایا:

اما بعد! تم میں سے جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوجا کرتا تھا تو وہ جان لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، اس کے لیے موت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَامُحَمَّدٌ اِلَّارَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ، وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً ، وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. [۱۳]

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عن قریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا۔ (کنز الایمان)

حضرت سعید بن میسّب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم خدا کی میں نے جوں ہی حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو میرے اوپر دہشت طاری ہوگئی اور میرے پاؤں قابو میں نہیں تھے، اب میں سمجھ گیا کہ واقعی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے۔ [۱۴]

اسی دوران خلافت کا مسئلہ لے کر انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہوئے، وہ خود کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے، اس میٹنگ کا پتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چلا تو آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر وہاں پہنچے، انصار سے بحث ومباحثہ کے بعد جب آپ نے دیکھا کہ اب بات کچھ راستے پر آرہی ہے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کرلی اس کے بعد

[۱۳] ۳/۱۴۴۔ آل عمران [۱۴] بخاری ۲/۶۴۰۔۶۴۱۔

دیگر حاضرین نے بیعت کی، اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس وقت عقل و دانائی سے کام نہ لیا ہوتا تو یہی فتنہ اسلام کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے پیش خیمہ ہوتا۔[۱۵]

عہد صدیقی: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سوا دو سال رہی اس پورے دور میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے باوفا اور ہوش مند وزیر کی حیثیت سے رفاقت میں رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اللہ عنہ بھی آپ پر کامل اعتماد رکھتے تھے۔ عہد صدیقی میں جتنے بڑے بڑے کام انجام پذیر ہوئے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی نہ کسی حیثیت سے ضرور شریک رہے۔ جمع قرآن کا عظیم الشان کام آپ ہی کے مشورے سے انجام پایا، چناں چہ خلیفۂ اول نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اندر قائدانہ صلاحیت اور دور اندیشی کے جوہر کو بھانپ لیا تھا، اس لیے آپ نے اپنے بعد خلافت کا سب سے زیادہ مستحق حضرت عمر فاروق ہی کو سمجھا، سقیفہ بنی ساعدہ کا معاملہ نظروں کے سامنے تھا اس لیے آپ نے اپنے زمانۂ علالت میں ہی صحابہ کے مشورہ سے انہیں اپنے بعد خلیفہ نام زد کر دیا اور وثیقۂ خلافت لکھوا کر مجمع عام میں خلافت عمر کا اعلان فرمایا اور کہا کہ میں نے اپنے بھائی یا رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا ہے بلکہ عمر بن خطاب کو مقرر کیا ہے، کیا تم اس سے راضی ہو؟ سب نے کہا ہاں ہم راضی ہیں، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر آپ نے نصیحت کے کلمات ارشاد فرمائے تاکہ امور خلافت کی انجام دہی میں کام آئیں۔

خلافت فاروقی اور فتوحات: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد لوگوں نے خلیفۂ اول کے منتخب جانشین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس طرح آپ ۲۲ رجمادی الآخرہ ۱۳ھ کو مسند آرائے خلافت ہوئے۔ اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لے گئے اور خطبۂ خلافت ارشاد فرمایا:

> عرب کی مثال اس اونٹ کی طرح ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو، اس کے قائد پر لازم ہے کہ وہ دیکھے کہ وہ اسے کس طرح لے جا رہا ہے۔ رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہیں راہ راست پر لے چلوں گا۔[۱۶]

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آپ نے پہلا خطبہ اس طرح ارشاد فرمایا:

> میں تمہاری آزمائش میں ہوں اور تم میری آزمائش میں، مجھے میرے دو رفقا کے بعد خلیفہ بنا دیا گیا، تو اب جو بھی معاملہ درپیش ہوگا مجھے ہی اسے طے کرنا ہے اور

---

[۱۵] بخاری کتاب المناقب فی فضائل ابی بکر۔ [۱۶] التاریخ الکامل لابن اثیر۔ ج:۲، ص:۲۶۸۔

جو میری نظروں سے اوجھل ہوگا وہ بھی میری قوت وامانت کے دائرے میں رہے گا۔ جو میرے ساتھ بھلائی سے پیش آئے گا، میں بھی اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤں گا اور جو برائی سے پیش آئے گا تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا، اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے [۱۷]۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہی ملکی فتوحات کا آغاز ہو چکا تھا، عراق مسلمانوں کے قبضے میں آ چکا تھا، ادھر شام کے اندر رومیوں اور مجاہدین اسلام کے درمیان بازار جنگ گرم تھا، لیکن نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بہتر نہ تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاں اور مجاہدین کو ان کی مدد کے لیے بھیجا وہیں حضرت خالد بن ولید کو بھی لکھ بھیجا کہ وہ مثنی کو عراق میں چھوڑ کر خود شام میں اسلامی فوجوں کی امداد کو پہنچیں، حضرت خالد بن ولید نصف فوج لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے اور باقی نصف کے ساتھ مثنی بن حارثہ عراق میں قیام پذیر رہے، شاہ ایران شہر یران بن ارد شیر نے ہرمز جاذویہ کو دس ہزار فوج کے ساتھ حِیرَہ کی جانب روانہ کیا۔ مثنی بن حارثہ نے حیرہ سے نکل کر بابِل میں مورچہ قائم کیا جہاں طرفین میں خوں آشام معرکہ ہوا۔ مثنی بن حارثہ کے شدید حملے نے ایرانیوں کو میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کیا، اسلامی لشکر تعاقب کرتے ہوئے ایرانی پایۂ تخت مدائن تک جا پہنچا، اسی دوران مثنی کو اطلاع ملی کہ اہل ایران مسلمانوں سے جنگ کے لیے فوجیں ترتیب دے رہے ہیں۔ عراق کی اس حالت زار نے مثنی کو تشویش میں مبتلا کر دیا، چناں چہ انھوں نے بشیر بن خصاصیہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود دربار خلافت میں حاضر ہو کر حالات سے باخبر کیا اور مدد کی درخواست کی۔ جس دن مثنی بن حارثہ مدینہ پہنچے وہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری دن تھا، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور کہا:

عمر! میری بات سنو اور اس پر عمل کرو، مجھے امید ہے کہ میں آج دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، اگر مر جاؤں تو شام ہونے سے پہلے پہلے مثنی کو امداد دے کر رخصت کر دینا [۱۸]۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی روز وفات پائی تجہیز و تکفین کے بعد دوسرے دن جب بیعت عام کا سلسلہ شروع ہوا اور لوگ جوق در جوق باہر سے آنے لگے تو حضرت عمر نے محاذ عراق پر جانے کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا، اور پر جوش تقریریں فرما کر ایرانیوں کے خلاف جہاد

۱۷: ابن سعد ۳/ ۱۴۷ ۱۸: ابن اثیر ج:۲ص: ۲۶۰۔

کی ترغیب دلائی مگر خلیفہ اول کے انتقال کا غم، امارت کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے اثرات کی فکر اور ایرانی دبدبہ کی پرانی روایات نے مسلمانوں کو نحیف و ناتواں کر دیا تھا، اس لیے کسی نے اپنے آپ کو پیش کرنے کی ہمت نہ کی۔ یہ صورت حال دیکھ کر مثنیٰ بن حارثہ نے اٹھ کر کہا:

مسلمانو! تمہیں ایرانیوں سے ہرگز خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے، وہ مرد میدان نہیں ہیں، ہم نے انہیں ہر معرکہ میں نیچا دکھایا ہے اور ان کے زرخیز علاقے چھین لیے ہیں، اب وہ ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔

یہ سن کر حضرت ابوعبید ثقفی آگے بڑھے اور کہا میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں، ان کی دیکھا دیکھی شرکت جہاد کے لیے ہر طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اور لشکر کی تیاری شروع ہوئی، حضرت مثنیٰ بن حارثہ حیرہ واپس ہو گئے اور ایک ماہ بعد ابوعبیدہ ثقفی کی قیادت میں پانچ ہزار کا اسلامی لشکر مدینہ سے ایران کی مہم پر روانہ ہوا۔

ادھر ایران کے حالات کچھ اچھے نہ تھے، ان دنوں ایران پر آزَرْ مِیدُخت حکومت کر رہی تھی، لیکن ماحول اس کے موافق نہ تھا، عمائد ایران اس کی حکومت کو ناپسند کرتے تھے، اس لیے کسریٰ کی ایک بیٹی پوران نے امرا کو متحد کیا اور ایران کے مشہور سپہ سالار رُسْتَمْ بِنُ فَرُّخْ زَاد کو آزَرْ مِیدُخت پر حملہ کی دعوت دی، رستم نے مدائن آ کر اسے فتح کر لیا اور آزرمیدخت کو تخت سلطنت سے ہٹا کر پوران کو مدائن کے تخت پر بٹھا دیا۔ سرداران ایران اس کی حکومت سے مطمئن ہو گئے اور اطاعت قبول کر لی، پوران نے رستم کو دس سال کے لیے ایران کا سپہ سالار مقرر کیا، جب ایران میں امن وامان قائم ہو گیا تو ایرانیوں نے متحد ہو کر عراق کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے کے لیے بڑے پیمانہ پر جنگی کارروائیاں شروع کر دیں، سپہ سالار رستم نے چند فوجیں ترتیب دیں، جابان کو فرات کی جانب، نرسی کو کسکر کی جانب اور ایک عظیم لشکر کو حیرہ کی طرف روانہ کیا اور سب کو ایک مقررہ دن اور وقت پر نشیبی فرات میں جمع ہونے کی ہدایت دی۔

جنگ نمارق: اَبُوْ عُبَیْد اور مُثَنّٰی بِنُ حَارِثَہ جب حیرہ پہنچے تو ایرانی فوجیں حدود عراق میں داخل ہو چکی تھیں، جنگی مصلحت کے پیش نظر خَفَّان میں آ کر خیمہ زن ہو گئے، جابان ایک بڑی فوج کے ساتھ مقام نمارق میں موجود تھا، ابوعبید ثقفی اپنی فوج کے ساتھ نمارق پہنچے، دونوں فوجوں کے درمیان شدید جنگ ہوئی، ایرانی فوج مقابلہ پر ڈٹی رہی، تھوڑی ہی دیر میں ابوعبید کے پرجوش حملے کی تاب نہ لا کر میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔ ایرانی لشکر کا سپہ سالار جابان مَطَر بن فِضَّہ تمیمی کے ہاتھوں گرفتار ہوا جسے وہ پہچانتے نہ تھے، جابان نے ان کی

لاعلمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے عوض دو نوجوان غلام دینے کا وعدہ کر کے امان لے لی، اتنے میں کسی نے اسے پہچان لیا اور گرفتار کر کے سردار لشکر ابوعبید رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے انہوں نے کہا ایسے دشمن کو چھوڑ دینا اگرچہ ہمارے حق میں برا ہے، لیکن ایک مسلمان نے اسے امان دے دی ہے اس لیے بدعہدی جائز نہیں، چناں چہ اسے رہا کر دیا گیا۔[19]

جنگ کسکر: نمارق میں شکست کھانے کے بعد ایرانی ہزیمت خوردہ فوج مقام کسکر پر دوسرے سردار نرسی کی فوج میں شامل ہوگئی، ابوعبید نے اپنا لشکر لے کر کسکر کی جانب کوچ کیا، پوران اور رستم کو جب جابان کی شکست کا علم ہوا تو انہوں نے جالینوس نامی کمانڈر کی قیادت میں ایک فوج نرسی کی مدد کے لیے بھیجی۔ جالینوس ابھی راستے ہی میں تھا کہ ابوعبید کسکر پہنچ گئے اور کسکر کے نواحی علاقہ سَقَاطِیَہ کے میدان میں دونوں فوجیں برسر پیکار ہوئیں، حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اسے شکست دی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا، ایرانی لشکر کی شکست کے بعد کسکر اور سقاطیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

جنگ جسر: جالینوس اپنی فوج کے ساتھ مقام بَاقُسیَاثَا میں قیام پذیر تھا، ابوعبید اس کے مقابلہ کے لیے نکلے اور ایک ہی حملہ میں اسے شکست دے کر بھگا دیا۔ آس پاس کے جاگیرداروں اور سرداروں نے جب مسلمانوں کی یہ جرأت اور ہمت دیکھی تو ابوعبید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطاعت قبول کر لی، اور اسلامی لشکر کی پر تکلف دعوت کی۔[20]

جالینوس جب شکست کھا کر اپنی فوج کے ساتھ رستم کے پاس گیا تو اس نے کہا عجم عرب سے شکست کھا گئے؟ تعجب ہے۔ اس کے بعد اس نے ایران کے مشہور کماندار بہمن جاذَوَیہ کی سرکردگی میں تیس ہزار فوج اور تین ہزار کوہ پیکر جنگی ہاتھیوں کو حیرہ کی جانب اس شان سے روانہ کیا کہ ان کے سروں پر ایرانی فتح وظفر کا مذہبی پرچم ''دِرَفْشِ کاویان'' سایہ فگن تھا۔ یہ پرچم چیتے کی کھال کا بنا ہوا تھا، لمبائی بارہ گز اور چوڑائی آٹھ گز تھی، بہمن جاذویہ مدائن سے چل کر قُسِ نَاطِف میں فروکش ہوا اور اسلامی لشکر کے امیر ابوعبید کسکر سے مَرْوَحَہ آگئے مجاہدین اسلام نو ہزار کی تعداد میں تھے، (قُسِ ناطف فرات شرقی کے کنارے کوفہ کے قریب ایک موضع ہے اور مَروَحَہ فرات غربی کے کنارے آباد ہے) گویا دونوں لشکروں کے درمیان دریا حائل تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ تم دریا پار کر کے ادھر آؤ یا ہمیں اس پار آنے کی اجازت دو۔ حضرت ابوعبید نے جواب دیا کہ ہم دریا پار کر کے اس پار آرہے ہیں، حضرت مثنیٰ، سَلیط بن قیس اور دیگر

۱۹: تاریخ ابن اثیر۔ ج:۲ص:۲۷۴،۲۷۵،۲۷۵۔ خلفائے راشدین از مولانا محمد عاصم اعظمی۔ ۲۰: تاریخ ابن اثیر ج:۲ص:۲۷۵،۲۷۶

مجاہدین نے اپنے جنگی تجربات کی روشنی میں اس اقدام کی مخالفت کی، مگر حضرت ابوعبید نہ مانے اور کشتیوں کا پل باندھ کر دریا کے اس پار اتر گئے۔

ساحل کے نشیب و فراز کی وجہ سے مسلمانوں کو لشکر کی مناسب ترتیب کا موقع نہ مل سکا۔ دونوں کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہوئی، لیکن گھوڑوں نے جب کوہ پیکر ہاتھیوں کا ہیبت ناک منظر دیکھا تو بدک گئے اور مسلمانوں کی صفوں میں افراتفری مچ گئی، یہ صورت حال دیکھ کر امیر لشکر ابوعبید نے للکار کر کہا:

اے مجاہدو! ہاتھیوں پر حملہ کیوں نہیں کرتے، ان کے سونڈوں کو کاٹ کیوں نہیں دیتے۔ کیا تمہاری تلواریں زنگ آلود ہوگئی ہیں؟ کیا یہ ہاتھی تمہارے ہی جیسے انسانوں کے تابع فرمان نہیں ہیں۔

جوش جہاد میں ابوعبید گھوڑے سے اتر پڑے اور ایک ہاتھی پر وار کر کے اس کی سونڈ اور دونوں اگلے پاؤں کاٹ ڈالے، سالار لشکر کی یہ جرأت دیکھ کر مجاہدین اسلام نے جوش میں آکر ہاتھیوں پر حملے شروع کر دیے اور متعدد ہاتھیوں کے سونڈ اور پاؤں کاٹ کر ان کے سواروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابوعبید ایک سفید ہاتھی کی طرف بڑھے ایک ہی وار میں سونڈ کاٹ ڈالی، لیکن ہاتھی نے انہیں زمین پر گرا دیا، اور سینہ پر پاؤں رکھ شہید کر ڈالا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے قبیلۂ ثقیف کے سات مجاہدین نے علم لیا وہ بھی ہاتھی کی زد میں آکر پے در پے جام شہادت نوش کرتے رہے، آخر میں مثنیٰ بن حارثہ نے علم لیا، ایرانیوں کی سخت یورش نے مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیے تھے، جب عبداللہ بن مرثد ثقفی نے یہ صورت حال دیکھی تو جلدی سے پل کی رسی کاٹ دی اور کہا:

اے لوگو! جس طرح تمہارے امرا نے جام شہادت نوش فرمایا، تم بھی یہیں شہادت کے جام پی لو یا فتح و کامرانی کا تاج پہنو۔

مگر ایرانی سواروں کے شدید حملوں کی تاب نہ لا کر بہت لوگ فرات میں کود پڑے اور اس کی تیز لہروں کی نذر ہو گئے، مُثَنّٰی اور اَبُو مِحْجَنْ ثَقَفِی دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے، بھاگنے والوں کو بلایا، پل درست کرا کے باقی ماندہ فوج کو واپس لے آئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا چار ہزار افراد شہید ہوئے، دو ہزار نے راہ فرار اختیار کی، صرف تین ہزار سپاہی مثنیٰ کی قیادت میں باقی رہے، یہ جنگ شعبان ۱۳ھ میں ہوئی۔[۲۱]

---

[۲۱] تاریخ ابن اثیر، ج:۲، ص:۲۷۷، ۲۷۸، خلفائے راشدین۔

اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست کے دو اسباب تھے، ایک یہ کہ کار آزمودہ سپہ سالاروں کے مشوروں کو نظر انداز کر کے حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ دریا کے پار چلے گئے دوسری غلطی عبداللہ ثقفی سے ہوئی کہ انہوں نے پل توڑ کر واپسی کا راستہ بند کر دیا۔

معرکہ بُوَیت: جنگ جسر میں مسلمانوں کی بربادی کی خبر جب دربار فاروقی میں پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے، چناں چہ اس نازک صورت حال سے نپٹنے کے لیے آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو ایک لشکر کے ساتھ عراق روانہ کیا، اسی دوران مثنی نے بھی عراق سے ایک تازہ دم فوج تیار کر لی اور مقام بویت پر پہنچ کر دریاے فرات کے کنارے خیمہ زن ہو گئے اور جریر بھی بویت پہنچے، رستم نے ان کے مقابلہ کے لیے ایک کار آزمودہ جنرل مہران بن مہرویہ کو بھیجا، یہ لشکر دریاے فرات کے مشرقی ساحل پر اترا، اس دفعہ بھی دریاے فرات دونوں فوجوں کے درمیان حائل تھا، مہران نے مثنی کو پیغام بھیجا کہ یا تو تم ہم کو اس پار آنے دو یا خود اس پار آ جاؤ، مثنی نے اس پار جانے سے انکار کر دیا اور ایرانیوں کو کہلا بھیجا کہ وہ خود اس پار چلے آئیں۔ چناں چہ ایرانیوں نے کشتیوں کا پل بنا کر دریا پار کر لیا، صف بندی ہوئی، دونوں فوجیں آپس میں برسر پیکار ہوئیں اور خوب جواں مردی کے جوہر دکھائے۔ معرکہ جسر میں جن مجاہدین نے شکست کھائی تھی اپنی سابقہ پسپائی کا داغ مٹانے کے لیے آج سب سے پیش پیش تھے، ایرانیوں نے بڑی برق رفتاری سے حملہ کیا جواب میں مسلمانوں نے بھی انتہائی شدید حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ چلے، مثنی نے آگے بڑھ کر پل توڑ دیا، مسلمانوں نے موقع غنیمت سمجھا اور تعاقب کر کے ہزاروں کو تہ تیغ کر دیا، ایرانی سپہ سالار مہران بھی ایک مجاہد کے ہاتھوں مارا گیا، اب سواد سے دجلہ تک سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، یہ جنگ رمضان، ۱۳ھ میں ہوئی۔[۲۲]

قادِسیَّہ کا فیصلہ کن معرکہ: بویت کی شکست نے ایران میں کہرام مچا دیا، اس ہزیمت کے بعد ایرانیوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر ایران کے اندرونی اختلافات کا خاتمہ نہ ہوا تو ایک دن غازیان اسلام مدائن پر قبضہ کر کے اولاد کسریٰ کو باج گزار بنا لیں گے، بالآخر ان کے درمیان یوں اتفاق ہوا کہ پوران کو تخت سے اتار کر اکیس سالہ نوجوان اور کیانی خاندان کے تنہا وارث یزدگرد کو تخت سلطنت پر بٹھایا گیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ

[۲۲] تاریخ ابن اثیر۔ ملخصا۔

ایرانی اختلافات بھول کر عرب حملہ آوروں کو سرزمین عراق سے نکالنے کے لیے پھر آمادہ ہو گئے۔ رستم کو مجبور کیا گیا کہ وہ خود جا کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے رستم نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے لیے زور وشور سے تیاریاں شروع کر دیں، مثنیٰ کو اس نئی صورت حال کا علم ہوا تو وہ پریشان ہو گئے، انہیں یقین تھا کہ ایرانی فوجیں آگے بڑھیں تو اہل عراق بغاوت کر دیں گے، چناں چہ دربار خلافت کو سارے حالات سے آگاہ کیا، مدینہ سے ابھی کوئی فوجی امداد آتی کہ ایرانی حیرہ اور انبار کے قریب پہنچ گئے، مثنیٰ مصلحت وقت کے پیش نظر اسلامی لشکر کو سمیٹ کر اندرون ملک سے ایک سرحدی مقام ذی قار میں آگئے اور لشکر کی ترتیب میں مشغول ہو گئے۔

ان نازک حالات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بڑا گہرا اثر پڑا، انہوں نے فوراً مثنیٰ کی مدد کے لیے فوجوں کی تشکیل کی، لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا طلحہ، زبیر اور عبدالرحمٰن کو افسر بنایا، شوق جہاد اتنا بڑھا کہ امور خلافت حضرت علی کو سونپ کر اپنی سپہ سالاری میں لشکر اسلام کو کوچ کا حکم دیا، لیکن مجلس شوریٰ اس رائے کے حق میں نہ تھی اس لیے آپ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں چار ہزار مجاہدین کی ایک تازہ دم فوج بھیجی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ سے سعد بن ابی وقاص کی مدد کے لیے فوجی دستہ روانہ کرتے رہے، جس سے لشکر اسلام کی قوت وطاقت میں اضافہ ہو گیا، اس طرح جب حضرت سعد مقام شَرَاف میں پہنچے تو آپ کے ساتھ بیس ہزار اسلامی لشکر تھا اور وہیں آپ کو مثنیٰ بن حارثہ کے وصال کی خبر ملی جو ذی قار میں آٹھ ہزار اسلامی لشکر کے ساتھ مدینہ سے تازہ دم لشکر کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ وفات سے قبل بشیر بن خصاصیہ کو اپنی فوج کا امیر مقرر کیا اور اپنے بھائی مُعَنّیٰ بن حارثہ کو وصیت کی اور حضرت سعد کے لیے چند اہم جنگی مشورے بھی انہیں بتائے مُعَنّیٰ نے حضرت سعد سے ملاقات کی اور اپنے بھائی مثنیٰ کے ضروری مشوروں سے آگاہ کیا، جو جنگی لحاظ سے کافی اہم تھے، شراف میں حضرت سعد نے اسلامی لشکر کا جائزہ لیا تو اس کی تعداد تیس ہزار پہنچ چکی تھی۔

اس لشکر میں چودہ سو صحابہ کرام شامل تھے، جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جنگ لڑی تھی، جن میں ستر اصحاب بدر تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں قیام کیا اور ہدایت فاروقی کے مطابق چودہ وجیہ، عقل مند اور بہادر آدمیوں کو سفیر بنا کر یزدگرد کے پاس بھیجا، بادشاہ نے پہلے اپنی طاقت وقوت اور شان وشوکت سے مرعوب کرنا چاہا، جب یہ حکمت

کامیاب نہ ہوئی تو روپے پیسے کا لالچ دیا، لیکن یہ مسلمان جنھیں اللہ کے علاوہ کسی سے خوف نہیں وہ اس کے فریب میں نہ آئے اور اسلام کی دعوت دی کہ مسلمان ہو جاؤ یا جزیہ دینا قبول کرو، ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے، یزدگرد نے غصہ میں کہا کہ جاؤ ہمیں تمہاری شرطیں منظور نہیں، رستم آرہا ہے وہ تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق مین دفن کردے گا۔

رستم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی مگر وہ مسلمانوں کے مقابلہ سے گریز کرتا تھا، وہ ایک عرصہ تک جنگ کو ٹالتا رہا اور مصالحت کی کوشش کرتا رہا مگر ناکامی مقدر رہی۔

محرم ۱۴ھ میں قادسیہ کے تاریخی میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیمار ہونے کی وجہ سے شرکت سے معذور تھے، اس لیے انہوں نے خالد بن عُرفُطَہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود ایک پرانے محل کی چھت پر بیٹھ کر خالد کو ضروری ہدایات دیتے، ایرانی لشکر کی قیادت رستم کے ہاتھ میں تھی، لڑائی شروع ہوئی، ایرانی ہاتھیوں نے مسلمانوں کا بڑا نقصان کیا، قریب تھا کہ ہاتھیوں کے پاؤں سے مجاہدین اسلام روند ڈالے جائیں، بنو اسد مدد کے لیے بڑھے، طلیحہ بن خویلد اور جمال بن مالک نے بڑی جانبازی سے ہاتھیوں کے ریلے کو روکا۔ ابھی خوں ریز جنگ جاری تھی کہ سورج ڈوب گیا میدان جنگ پر رات کی سیاہ زلفیں بکھر گئیں، اور دونوں لشکر جنگ بند کر کے اپنے اپنے کیمپوں میں چلے گئے۔ اس روز بہ ظاہر ایرانی غالب تھے۔

دوسرے دن مشہور مجاہد اسلام قعقاع بن عمرو کی سرکردگی میں جنگ لڑی گئی حضرت قعقاع نے مبارز طلب کیا، بہمن جاذویہ آگے آیا مقابلہ شروع ہوا قَعْقاع نے بہمن کو قتل کر ڈالا، آج کی جنگ میں قَعْقاع نے جنگی ہاتھیوں کے جواب میں اسلامی لشکر کے تمام اونٹوں کو کالا نقاب پہنا کر ہیبت ناک بنا دیا جس سے ایرانی گھوڑے بدکنے لگے اور اپنے سواروں کو گرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس طرح ایرانیوں کو بہت بڑے جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ جنگ آدھی رات تک جاری رہی، اس روز مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ تیسرے دن جنگ شروع ہوئی دونوں لشکر فیصلہ کن جنگ کے لیے صف بستہ ہو گئے، فرزندان توحید نے بڑی بے جگری سے ایرانیوں پر حملے کیے۔ رستم نے جنگی ہاتھیوں کو حملہ کا حکم دیا، مسلمانوں نے ہاتھیوں پر قابو پانے کے لیے ایرانی نو مسلموں کے مشوروں پر ہاتھیوں کی آنکھیں بے کار کرنا شروع کر دیں اور سونڈ کاٹ ڈالے،

جب ہاتھیوں کے سردار سفید ہاتھی کے سونڈ کاٹے گئے اور آنکھیں بے کار کی گئیں تو سفید ہاتھی بھاگنے لگے، سفید ہاتھیوں کا پیٹھ پھیرنا تھا کہ سارے ہاتھی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، اب مسلمانوں نے ایرانیوں کی خوب خبر لی، رات بھر جنگ ہوتی رہی اگلے دن ایرانی فوج پر پسپائی کے آثار نظر آئے اور رستم کو شکست کا یقین ہوگیا تو اس نے خود جان بچانے کے لیے نہر عتیق میں چھلانگ لگادی، ایک مجاہد ہلال بن عُلَّفہ نے رستم کو پہچان لیا اور ایرانی سالار اعظم کی ٹانگ پکڑ کر دریا کے باہر نکالا اور قتل کردیا، ایرانیوں کو جب اپنے سب سے بڑے سورما کے قتل کا علم ہوا تو ان کے دل چھوٹ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر تیزی کے ساتھ فرار ہونے لگے، اس طرح میدان جنگ ایرانی سورماؤں سے خالی ہوگیا۔ مسلمانوں کو بے شمار غنیمت کے سامان ہاتھ آئے۔

اس جنگ میں چھ ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور تیس ہزار ایرانی میدان جنگ میں کام آئے۔ یہ جنگ شعبان ۱۴ھ میں ہوئی، فتح قادسیہ کی خبر سے پورا مدینہ اور عالم اسلام مسرور ہوگیا۔[۲۳]

فتح مَدائن: قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آس پاس کی بستیوں اور قبیلوں کو مطیع کرتے ہوئے ۱۵ھ میں ایران کے پایہ تخت مدائن کا رخ کیا، راستہ میں دریاے دجلہ حائل تھا، ایرانیوں نے پل توڑ کر راستہ بند کردیا، لیکن مسلمانوں کے دل میں مدائن کی تسخیر کے خیالات مچل رہے تھے اور مدائن کا منظر ان کے اندر زندگی اور قوت کی جوت جگا رہا تھا، امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص کے حکم سے مجاہدین نے بلا تامل اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے، موجوں کا سینہ چیرتے ہوئے مجاہدین اسلام دوسرے کنارے پر پہنچ گئے، یہ حیرت انگیز جواں مردی دیکھتے ہی شکستہ خاطر ایرانی "دیواں آمدند" "دیواں آمدند" بھوت آگئے، بھوت آگئے کہتے ہوئے حُلْوان کی طرف بھاگے۔ یزدگرد نے بھی حُلْوان کی راہ لی، پورا شہر خالی ہوچکا تھا، حضرت سعد بلا مزاحمت قلعہ کے اندر داخل ہوئے اور مدائن پر اسلامی پرچم لہرادیا، اس فتح میں بے شمار مال ودولت مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

معرکۂ جَلُولا: مدائن سے فرار ہونے والا لشکر جلولا کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا اور خندق وغیرہ کھود کر اپنی حفاظت کا انتظام کیا اور مسلمانوں سے آخری جنگ لڑنے کے لیے فوج کی تیاری شروع کردی، حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان کے تازہ عزائم کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجی، فاروقی حکم کے مطابق حضرت سعد نے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں ایک لشکر جلولا کی طرف روانہ کیا، جنھوں نے کئی مہینوں کے محاصرہ اور جنگ کے بعد قلعہ کو فتح کیا اور

۲۳: خلفاے راشدین۔ ملخصا۔

وہاں سے یلغار کر کے حلوان پر بھی قبضہ کر لیا، جلولا اور حلوان کا مال غنیمت مدائن سے کم نہ تھا۔

خوزستان کی فتح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندرون عجم فوجی پیش رفت روک دی تھی وہ عراقِ عرب کی سرحدوں کو مستحکم کر کے مسلمانوں کو ایرانیوں کے حملے سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے، مگر ایرانیوں نے اس کو مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کیا، خوزستان اور فارس کے امرا نے یزدگرد کی شہ پر بغاوتوں اور شر انگیزیوں کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا۔ خوزستان کا علاقہ ایرانی شر پسندوں کا مرکز بن گیا تھا، یہاں کے مشہور شہر اَھواز، مَنَاذِر، سُوس، رَامَھُرمُز، تُستَرا اور نَھُرِ تِیرِی تھے، چوں کہ بصرہ سے خوزستان کا علاقہ ملا ہوا تھا، اس لیے بصرہ میں دائمی امن کے لیے خوزستان کو زیر کرنا ضروری تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ۱۶ھ میں خوزستان کے سب سے بڑے شہر اہواز پر حملہ کیا تھا، ہرمزنے کچھ رقم دے کر صلح کر لی، ۱۷ھ میں جب حضرت ابوموسیٰ اشعری والی بصرہ بن کر آئے تو ہرمزنے پھر بغاوت کی، حضرت ابوموسیٰ نے معمولی جنگ کے بعد شہر فتح کر لیا اس کے بعد شہر مناذر کی طرف بڑھے، پے در پے حملہ کر کے مناذر اور سوس کو اپنے زیر نگیں کر لیا، پھر نُعُمَان بن مُقَرِّن رامہرمز کی طرف بڑھے یہ دیکھ کر یزدگرد نے ہرمزان کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا، مگر مسلمانوں نے منہ توڑ جواب دیا اور بہادری کے جوہر دکھائے نتیجتاً رامہرمز پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔

فتحِ تُستَر: ہرمزان تستر میں فوجی تنظیم میں مصروف تھا، اسے یقین تھا کہ مضبوط فصیلوں میں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں سے اچھی طرح مقابلہ کیا جا سکتا ہے، چناں چہ اس نے ایک بڑی جمعیت اپنے گرد جمع کر لی، نُعُمَان بِنُ مُقَرِّن تستر پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا، کئی ماہ تک محاصرہ قائم رہا، لیکن جب مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ فصیل کا گھیرا ڈالے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں، شہر پر حملہ کرنا چاہا، جب ہُرمُزان کو مسلمانوں کے اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھی اپنی فوج کو شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا، گھمسان کی جنگ ہوئی، اس حملہ میں مسلمانوں کے دو بہادر براء بن مالک اور فجراہ بن ثور جام شہادت سے سرفراز ہوئے۔ غروب آفتاب تک جنگ ہوتی رہی، بالآخر ایرانی پھر قلعہ بند ہو گئے۔

دوسرے دن کوئی جنگ نہ ہوئی، وقت گزرتا رہا، انجام کار مسلمانوں نے شہر میں داخل ہونے والے راستے کا سراغ لگا لیا، یہ لوگ رات کی تاریکی میں کامیابی کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے، پہریداروں کو قتل کر دیا اور فصیلوں پر چڑھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا، ہرمزان نے یہ منظر دیکھا تو

اپنے قلعہ میں چھپ گیا، مسلمانوں نے ہرمزان کو گرفتار کرلیا اور اس کی خواہش کے مطابق دربار فاروقی میں حاضر کردیا، اس نے وہاں حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا اور مدینہ ہی میں قیام کیا۔

ہرمزان کی گرفتاری کے بعد ایرانی سپر انداز ہوگئے، تستر پر کامیابی کے ساتھ ہی پورا خوزستان مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

تستر خوزستان کا دارالسلطنت تھا جو اہواز کے شمال میں نہر کارون کے کنارے آباد تھا، جسے ایران کا بڑا مستحکم قلعہ سمجھا جاتا تھا۔

فتح نہاوند: خوزستان پر مسلمانوں کی فتح کے بعد یزدگرد کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ ایران کی حفاظت کیسے کی جائے، اس نے ڈیڑھ لاکھ فوج ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کی سپہ سالاری میں مسلمانوں کے مقابلہ میں نہاوند روانہ کی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کے بعد نعمان بن مُقَرِّن کی کمان میں تیس ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر روانہ کیا، انہوں نے نہاوند سے چند میل کے فاصلہ پر منزل کی، دونوں طرف سے مصالحت کی بات ہوئی لیکن گفتگو نتیجہ خیز نہ رہی اور جنگ چھڑ گئی، بڑی خوں ریز جنگ ہوئی، ایسا خوں ریز معرکہ عجم کی لڑائیوں میں قادسیہ کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوا۔ مسلمان بڑی پامردی سے لڑے، ہزاروں لاشیں خاک وخون میں نہا گئیں، اسلامی سپہ سالار نعمان بن مقرن زخم کھا کر زمین پر گر پڑے، زخم گہرا تھا، لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی طرف توجہ نہ کرے، چناں چہ ان کے بعد ان کے بھائی نعیم نے علم سنبھالا، نعمان کے تعلق سے کسی کو خبر نہ ہوئی اور ان کے بھائی نُعَیم کی علم برداری میں اسی زور وشور سے جنگ جاری رہی، رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کرکے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کردیا، اس کے بعد ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی نہ آسکے۔ اس لیے اس فتح کو "فتح الفتوح" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، فتح کی خبر سننے کے بعد حضرت نعمان نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

ایرانیوں کا رہا سہا زور توڑنے کے لیے مسلمانوں نے ایران پر عام لشکر کشی کردی اور مردانہ وار لڑتے ہوئے اسلامی فوج نے رے، طبرستان، اذربیجان، ارمینیہ، بحستان (سِیستان) اور دیگر علاقے فتح کرلیے، ان دنوں شہنشاہ یزدگرد خراسان میں مقیم تھا حضرت احنف بن قیس سے اس کا مقابلہ ہوا وہ شکست کھا کر بھاگا اور خراسان مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، یزدگرد نے بے سروسامانی

کے عالم میں خاقان چین کے پاس پناہ لی اور اب پورا ایران مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔

شام کی فتوحات : حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء کے آغاز میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی، ابوعبیدہ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دِمَشق پر، شُرحبیل کو اُردُن پر اور عمرو بن عاص کو فِلَسطین پر مامور کیا، فوجیوں کی تعداد چوبیس ہزار تھی، حضرت خالد بن ولید ان دنوں عراق کی مہم پر تھے انہیں بھی بلا کر شام کی مہم میں شامل کر دیا گیا، آپ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح کرتے دمشق پہنچے اور ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا، اسی دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا اور اور عنان خلافت حضرت عمر فاروق نے سنبھالی، محاصرہ جاری تھا کہ بطریق دمشق کے گھر لڑکا پیدا ہوا جس کی تقریب میں اہل دمشق نے جشن منائے اور شراب و کباب میں مست ہو کر شام ہی سے سو رہے، حضرت خالد نے موقع غنیمت جانا اور چند جاں بازوں کے ساتھ کمند لگا کر فصیل پر چڑھ گئے اور قلعہ کے اندر جا کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا، پھر دروازے کھول دیے، ادھر فوج پہلے سے تیار تھی دروازہ کھلتے ہی سیلاب کی طرح گھس آئی، جب عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھا تو حضرت ابوعبیدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مصالحت کی درخواست کر دی، وہ تازہ ترین صورت حال سے بے خبر تھے اس لیے انہوں نے قبول کر لی، چناں چہ ایفائے عہد کی خاطر حضرت خالد بن ولید کا مفتوحہ رقبہ بھی اہل دمشق کو بحال کر دیا گیا، یہ مبارک فتح رجب ۱۴ھ مطابق ۶۳۵ء میں ہوئی۔

معرکۂ یرموک : دمشق کی فتح کے بعد اسلامی لشکر فِحل، حمص وغیرہ فتح کرتا ہوا اردن کے علاقہ میں دریائے یرموک کے ساحل پر پہنچ گیا، تجویز کے مطابق باقی اسلامی فوجیں بھی وہیں جمع ہو گئیں، شامیوں نے بھی مقام وَاقُوصَہ پر ڈیرے ڈال دیے، یہ مقام ان کی دانست میں جنگی نقطۂ نظر سے محفوظ ترین تھا، اس لیے کہ اس کے ایک طرف پہاڑ اور دوسری جانب دریائے یرموک تھا، شامی فوج کی کل تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی، رجب ۱۵ھ میں مقابلہ ہوا اس میں مسلمان غالب رہے، جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہو گئی، مخالفین نے مصالحت کی کوشش کی حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے خالد بن ولید کو سفیر بنا کر بھیجا، لیکن یہ سفارت نتیجہ خیز نہ رہی، رومی دوبارہ اس شان سے میدان میں آئے کہ ان کے پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے ہوئے تھے اور یسوع مسیح کا نعرہ بلند کر رہے تھے، جب حضرت خالد بن ولید نے یہ جوش و خروش دیکھا تو مجاہدین اسلام سے مشورہ کیا کہ اس صورت میں مقابلہ کا کیا رخ ہونا

چاہیے، اس تجویز پر اتفاق ہوا کہ ہماری فوجیں ایک ہی سردار کے زیر کمان آجائیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار اعلیٰ تسلیم کرلیا گیا، آپ نے از سر نو فوجوں کو مرتب کیا اور ۳۶/دستوں پر تقسیم کر کے صف آرائی کی، رومیوں نے بھی بڑے منظم طریقے سے فوج ترتیب دی اور پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کردیا، مسلمانوں نے بھی دوبدو جواب دیا، لڑائی زور پکڑتی گئی، بعض موقعوں پر مسلمان کمزور پڑے، لیکن انجام کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، تقریباً ایک لاکھ سپاہ تہ تیغ کردی گئی، مسلمان کل تین ہزار شہید ہوئے، اس شکست نے رومیوں کی کمر توڑ دی، چناں چہ قیصر حسرت وافسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ چلا گیا، اس کے بعد چھوٹے چھوٹے مقامات بڑی آسانی سے معمولی مزاحمت کے بعد فتح کرلیے گئے اور وہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کرلی، اس عظیم الشان کامیابی کی خبر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

بیت المقدس کی فتح:

فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن عاص مامور تھے، آپ نے غَزّہ نَابُلُس، جُرَیْن، ھِیُت۔ یَافا، لُد، عَمَواس وغیرہ فتح کیا اور ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا لیکن جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو محاصرہ اور زیادہ سخت ہوگیا، بیت المقدس کے عیسائیوں نے کچھ دنوں مدافعت کے بعد مصالحت کی درخواست کی اور اطمینان خاطر کے لیے یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں، حضرت عمر کو خبر دی گئی، آپ نے صحابہ سے مشورہ کر کے مدینہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوگئے۔[۲۴]

بیت المقدس کا یہ سفر بڑی سادگی سے ہوا، آپ مقام جابیہ پہنچے (جو بیت المقدس سے تھوڑے فاصلے پر ہے) تو عیسائی افسروں نے وہیں آپ کا استقبال کیا، چنان چہ یہیں معاہدۂ صلح لکھا گیا اور تمام معزز صحابہ نے اس پر دستخط کیے۔ اس صلح نامہ میں عیسائیوں کو جان و مال اور مذہب کے تحفظ کا عہد دیا گیا، بیت المقدس کی فتح کے بعد تقریباً سارے ملک شام پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔

بیت المقدس سے واپسی کے بعد آپ نے تمام اطراف مملکت کا دورہ کیا، سرحدوں کا معائنہ کیا، حفاظت کے انتظام کیے اور بہ خیریت مدینہ تشریف لائے۔

مصر کی فتوحات:

مصر، ان دنوں قیصر روم کے ماتحت تھا، مسلمانوں کے لیے یہ خطرہ تھا کہ رومی حکومت

۲۴: طبری۔۴/۲۲۴۔

مصریوں کے تعاون سے شام کے سرحدی علاقے میں شورش پیدا کرے، اس لیے رومیوں کا زور توڑنے اور شام کی حفاظت کے لیے مصر کی تسخیر ضروری تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مزید فتوحات کے حق میں نہ تھے، لیکن حضرت عمرو بن عاص کے بڑے اصرار پر آپ نے مصر پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔ عمرو بن عاص چار ہزار مجاہدینِ اسلام کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ عَرِیْش، فَرَمَا، بِلْبِیْس، اُمِّ دُنَیْن وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے قلعۂ فُسطاط کا محاصرہ کرلیا، قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریوں کے مقابلہ میں مسلمان بہت کم تھے، اس لیے حضرت عمرو بن عاص نے دربارِ خلافت سے فوجی امداد چاہی، حضرت عمر فاروق نے دس ہزار مجاہدین کی ایک فوج بھیجی اور اس میں چار افسر بھی بھیجے، زبیر بن عوام، عبادہ بن صامت، مقداد بن عمر، سلمہ بن مخلد، حضرت عمرو بن عاص نے زبیر بن عوام کو فوج کا افسر بنادیا، مسلسل سات مہینے کی پیہم کوشش کے بعد زبیر بن عوام کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ فتح ہوا اور والیِ مصر مُقوقِس نے صلح کرلی۔

جب قیصرِ روم کو اس ہزیمت کی خبر ہوئی تو اس نے سمندر کے راستے ایک زبردست لشکر مسلمانوں سے نپٹنے کے لیے اسکندریہ بھیج دیا، اس لیے حضرت عمرو بن عاص نے ۲۱ھ میں فُسطاط کی فتح کے بعد اسکندریہ کا رخ کیا راستے میں رومیوں اور قبطیوں کی مزاحمت کو ناکام کرتے ہوئے برابر بڑھتے رہے، مقام کِرْیَون میں دونوں کا مقابلہ ہوا، یہاں بھی عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا اور چند دنوں کے بعد اس کو بھی فتح کرلیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب فتح کی خبر سنی تو سجدۂ شکر ادا کیا۔[۲۵]

اسکندریہ کی تسخیر کے بعد چند اور چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے جنہیں سر کرکے پورے مصر پر قبضہ کرلیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اب مصر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا، عمرو بن عاص کو جنوبی حصہ کا والی رہنے دیا، اور عبداللہ بن ابی سرح کو شمالی مصر کا والی مقرر کیا۔

حضرت عمر کی شہادت: ذی الحجہ ۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا عظیم واقعہ پیش آیا۔ واقعہ مختصراً یہ ہے کہ حاکم کوفہ مُغیرہ بن شُعبہ کا ایک پارسی غلام تھا جس کا نام فیروز اور کنیت ابولولو تھی۔ اس نے حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں اپنے آقا کی شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت زیادہ ٹیکس وصول کرتے ہیں، آپ کم کرادیجیے، آپ نے پوچھا کتنا وصول کرتے ہیں بتایا کہ روزانہ چار درہم، پھر پوچھا تم کام کیا کرتے ہو جواب دیا لوہاری، نجاری (بڑھئی کا کام) اور نقاشی۔ فرمایا تب تو یہ رقم زیادہ نہیں

[۲۵] فتوح البلدان، ص: ۲۱۷، ۲۱۸۔

ہے، یہ سن کر وہ غصہ سے تلملا اٹھا اور واپس چلا گیا اور آپ کے قتل کا پختہ ارادہ بنالیا، ایک روز فجر کی نماز میں خنجر لے کر مسجد نبوی میں آیا اور اچانک حملہ کردیا، متواتر چھ وار کیے، حضرت عمر فاروق زخم کی تاب نہ لاکر زمین پر گر پڑے، کچھ لوگ اسے گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھے تو اس نے انہیں بھی زخمی کردیا، آخر میں پکڑا گیا اور خودکشی کرلی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے نماز فجر پڑھائی نماز کے بعد آپ اٹھا کر گھر لائے گئے۔ اپنے صاحبزادے عبداللہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیج کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی مگر آج میں عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں، جب آپ کو خوش خبری سنائی گئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا میری سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔ [٢٦]

مسلمان چوں کہ آپ کی زندگی سے مایوس ہوچکے تھے اس لیے جانشین نامزد کرنے کی درخواست کی، آپ نے چھ حضرات علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کو منصب خلافت کے لیے نامزد کیا کہ ان میں سے جس پر پانچوں کا اتفاق ہوجائے اسے اس منصب کے لیے منتخب کرلیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے ہونے والے خلیفہ کو ملکی انتظام کے سلسلہ میں وصیت کی اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو اپنے ذاتی معاملات کے تعلق سے وصیت کی۔

٢٦/ذوالحجہ ٢٣ھ بدھ کے دن آپ زخمی ہوئے اور یکم محرم الحرام ٢٤ھ کو دوشنبہ کے دن وفات پائی، وصیت کے مطابق حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حجرۂ عائشہ میں سپرد خاک ہوئے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ٦٣ رسال تھی اور مدت خلافت دس سال چھ ماہ چار دن۔ [٢٧]

بیویاں اور اولاد : مختلف اوقات میں آپ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں اور اولاد کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(١) **زَیْنَب بنت مَظْعون:** آپ کے شکم سے عبداللہ، عبدالرحمن اور حفصہ پیدا ہوئے۔

(٢) **ام کُلثُوم بنت علی بن ابی طالب:** آپ کے شکم سے زید اکبر اور رقیہ پیدا ہوئے، زید اکبر بچپن میں انتقال کر گئے۔ (یہ بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں، حضرت عمر فاروق نے خاندان نبوت سے تعلق جوڑنے کے لیے ١٧ھ میں ان سے

٢٦: تاریخ ابن اثیر، ج:٢، ص:٢٢٧، ٢٢٨، بیروت ٢٧: تاریخ ابن اثیر، ج:٢۔ ص:٤٢٩۔ بیروت

چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا)

(۳) اُمّ کُلثُوم بنت جَرْوَل : آپ کے شکم سے زید اصغر اور عبید اللہ پیدا ہوئے، عبید اللہ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ کے ساتھ تھے اور شہید ہوئے۔ ام کلثوم بنت جرول چوں کہ اسلام نہ لائیں اس لیے آپ نے انھیں طلاق دے دی۔

(۴) جَمِیْلَه بنت ثَابِتْ: آپ کے شکم سے عاصم پیدا ہوئے۔

(۵) اُمِّ حَکِیْم بنت حارِث: آپ کے شکم سے فاطمہ پیدا ہوئیں۔

(۶) عَاتِکَه بنت زید: آپ کے شکم سے عیاض پیدا ہوئے۔

(۷) ام لُهَیَّه (کنیز) آپ کے شکم سے عبد الرحمٰن اوسط پیدا ہوئے، کنیت ابو المُجَبَّر تھی۔

(۸) ایک کنیز سے عبد الرحمٰن اصغر پیدا ہوئے۔

(۹) فُکَیْهَه (کنیز) آپ کے شکم سے زینب پیدا ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق کی اولاد میں سب سے چھوٹی آپ ہی تھیں۔ [۲۸]

فاروقی نظام حکومت:

فتوحات کے علاوہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زبردست کارنامہ اسلامی احکام کی روشنی میں عادلانہ جمہوری نظام کا قیام تھا، جو مسلمانوں کے لیے باعث سعادت اور ترقی کا ضامن تھا، جمہوریت آپ کے نظام حکومت کی روح تھی، آپ ہمیشہ صحابہ سے مشورہ لیا کرتے، خود کو مطلق العنان حاکم کبھی نہ سمجھا، مقبوضہ ممالک کو گیارہ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، فلسطین، خراسان، اذربیجان، اور فارس ہر صوبہ کا ایک حاکم اعلیٰ ہوتا، اس کے علاوہ میر منشی، امیر لشکر، کلکٹر، پولیس افسر، خزانچی اور قاضی ہوتے تھے، قیام امن کی خاطر پولیس محکمہ کی بنیاد رکھی، مختلف شہروں میں جیل خانے قائم کیے اور مجرمین کو جیل میں قید کیا جانے لگا۔ مفتوحہ علاقوں کو حکومت کی ملکیت قرار دے کر باقاعدہ محکمۂ مال گزاری کی بنیاد رکھی، کھیتی کی ترقی کے لیے یہ قانون بنایا کہ جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہے آب پاشی کے لیے نہریں نکلوائیں، بند بندھوائے اور تالاب کھدوائے۔ ذرائع آمدنی زکوٰۃ، عشر، جزیہ اور مال غنیمت تھے، زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لی جاتی تھی، عشر ایک تجارتی ٹیکس تھا جو ابتداءً صرف غیر ملکی تاجروں سے لیا جاتا، لیکن بعد میں ذمی اور مسلمان تاجروں سے بھی لیا جانے لگا۔ دار الخلافۃ اور تمام صوبوں کے مرکزی مقامات پر بیت المال

---

۲۵ : طبقات ابن سعد ج:۳، ص:۱۴۱، بیروت۔

(سرکاری خزانہ) قائم کیے، ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں جمع ہوتی ، وہاں کے اخراجات وضع کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہتا وہ مدینہ کے مرکزی بیت المال میں داخل کردیا جاتا۔ آپ نے تعلیم کی طرف بڑی توجہ دی، زیادہ تر تعلیم مذہبی نوعیت کی ہوتی ،قرآن وسنت کے علاوہ عربی زبان وادب کی تعلیم بھی لازمی قراردی گئی ، دنیوی علوم کے حصول کا انتظام بھی ہوا،عرب، حساب وریاضی سے نابلد تھے،لیکن محکمۂ مال گزاری کو چلانے اور دیگر امور کی انجام دہی کے لیے حساب داں بھی پیدا ہونے لگے۔صدیق اکبر کے زمانے میں فوج کا کوئی محکمہ نہ تھا آپ نے باضابطہ شعبۂ فوج قائم کیا، مجاہدین کی ان کے رتبے کے اعتبار سے تنخواہیں مقرر کیں ، مفتوحہ علاقوں میں فوجی مراکز قائم کیے، خبررسانی اور جاسوسی کا معقول انتظام ہوا، ہرفوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پہنچاتے رہتے ۔ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ، والیان مملکت کو حکم تھا کہ وہ ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں، ان کو نقصان نہ پہنچائیں، بلاوجہ ان کا مال نہ کھائیں، کوئی مسلمان کسی ذمی کو مار ڈالتا ہےتو قصاص میں اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

سوالات

(۱) (الف) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت، لقب اوران کے والد ووالدہ کے نام بتاؤ۔
(ب) شجرۂ نسب بیان کرو۔
(ج) اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ کا خاندانی وقار کیا تھا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں کیا دعا فرمائی؟
(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ قلم بند کرو۔
(۳) (الف) حضرت فاروق نے کس انداز سے ہجرت کی؟ بیان کرو۔
(ب) ان کا رشتۂ اخوت کس کے ساتھ ہوا؟ اذان کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اور انہوں نے اذان کے سلسلہ میں کیا خدمات پیش کیں؟
(۴) (الف) جنگ بدر میں حضرت عمر فاروق کا امتیازی پہلو اجاگر کرو۔
(ب) اسیران بدر کے متعلق آپ کی کیا رائے تھی اوراس کا مرتبہ کیا تھا؟
(۵) غزوۂ احد میں حضرت عمر فاروق کی شرکت کس طرح کی تھی؟ بیان کرو۔
(۶) صلح حدیبیہ میں آپ کی بےقراری کیا تھی؟ بیان کرو۔
(۷) (الف) فتح مکہ میں آپ نے کون سی خدمت انجام دی؟
(ب) غزوۂ تبوک میں آپ کی سخاوت کا کیا انداز تھا؟
(۸) وفات رسول کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کیا حالت تھی اور وہ کیسے قابو میں آئے؟
(۹) عہد صدیقی میں حضرت عمر فاروق کی حیثیت کیا تھی؟ واضح کرو۔

(۱۰)(الف) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کب مسند آراے خلافت ہوئے؟ اور انہوں نے پہلے خطبہ میں کیا ارشاد فرمایا؟
(ب) خلافت سنبھالنے کے بعد آپ نے پہلا لشکر کہاں اور کس کی سربراہی میں بھیجا اور یہ بھی واضح کرو کہ اس وقت کے حالات کیا تھے؟
(ج) ان دنوں ایران کی سیاسی صورت حال کیا تھی؟ بیان کرو۔
(۱۱) جنگ نمارق اور جنگ کسکر کے سلسلہ میں اپنی معلومات قلم بند کرو؟
(۱۲) جنگ جسر کی صورت حال تفصیل سے بیان کرو۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح ہوئی یا شکست؟ اسباب پر بھی روشنی ڈالو۔
(۱۳) معرکۂ بویت کب پیش آیا؟ اس کا پس منظر بیان کرو۔
(۱۴) (الف) معرکہ قادسیہ کب پیش آیا؟ یہ جنگ کس کس کے درمیان ہوئی؟ دونوں فوجوں کا امیر کون تھا؟
(ب) قادسیہ کی معرکہ آرائی تفصیل سے بیان کرو؟
(ج) مدائن کیسے فتح ہوا؟
(۱۵) خوزستان کے کون کون سے شہر مسلمانوں نے فتح کیے اور کیسے؟ تفصیل سے لکھو۔
(۱۶) فتح نہاوند پر ایک نوٹ اس وضاحت کے ساتھ لکھو کہ معرکۂ نہاوند کے لیے اسلامی لشکر کس کی قیادت میں روانہ ہوا؟ اور کس کے ہاتھ پر فتح ہوئی؟ یزدگرد کا کیا حشر ہوا؟
(۱۷)(الف) جنگ یرموک کے میدان جنگ پر روشنی ڈالو۔
(ب) بیت المقدس کس شان سے فتح ہوا۔
(۱۸) مصر کی فتوحات پر ایک جامع نوٹ لکھو۔
(۱۹)(الف) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کب اور کیسے ہوئی؟
(ب) اپنے جانشین کے بارے میں آپ نے کیا انتظام فرمایا؟ آپ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ آپ کہاں دفن ہوئے؟
(۲۰) حضرت فاروق اعظم کی بیویوں اور اولاد کا تعارف پیش کرو۔
(۲۱) فاروقی نظم حکومت پر مختصر تبصرہ کرو۔

خلیفۂ سوم

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

نام ونسب: نام عثمان، ابوعبداللہ اور ابوعمر و کنیت، لقب ذوالنورین اور غنی ہے۔ والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی بنت کریز ہے، آپ کی نانی ام حکیم بیضا بنت عبدالمطلب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے:

شجرۂ پدری: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی۔

شجرۂ مادری: اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی۔[1]

اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبدمناف پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

آپ واقعۂ فیل کے چھٹے سال اور ہجرت نبوی سے سینتالیس سال قبل قریش کی ایک شاخ بنوامیہ میں پیدا ہوئے۔

خاندانی امتیاز: ایام جاہلیت میں حضرت عثمان بن عفان کا خاندان بڑی شان وشوکت کا مالک تھا، اس خاندان کے جداعلیٰ امیہ بن عبدشمس بڑی شان کے رئیسوں میں تھے، جواں مردی اور بہادری میں یکتائے روزگار تھے، خلفائے بنوامیہ انہی امیہ کی طرف منسوب ہیں۔ قریش کا قومی پرچم عقاب اسی خاندان کے قبضہ میں تھا، یہ خاندان بنوہاشم کے ٹکر کا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا تو اس خاندان کے افراد میں دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت دشمنی کے جذبات زیادہ پائے گئے۔ ابوسفیان بن حرب جو قبولِ اسلام سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد تمام غزوات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل رہے، اسی اموی خاندان کے ایک فرد تھے، عفان اور ابوسفیان قریش کے دولت مند شرفا میں شمار کیے جاتے تھے اور بڑے پیمانے پر تجارتی کاروبار کرتے تھے، حضرت عثمان غنی نے عام عرب کی روش سے ہٹ کر لکھنا پڑھنا سیکھا، عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارت سے وابستہ ہوگئے اور اپنی دیانت و صداقت کی بنیاد پر ترقی کرکے قریش کے مالداروں میں گنے جانے لگے۔

قبول اسلام: حضرت عثمان نے عمر کے چونتیسویں سال میں قدم رکھا تھا کہ مکہ میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا اعلان کیا، اس آواز سے آپ کے

[1]: طبقات ابن سعد ج:۳، ص:۳۰۔

کان بالکل نا آشنا تھے۔

حضرت صدیق اکبر سے آپ کے دوستانہ تعلقات تھے، صدیق اکبر نے قبول اسلام کی ترغیب دی۔ حضرت ابو بکر کی تبلیغ اتنی مؤثر ہوئی کہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے، ابھی دونوں بزرگ جانے کا ارادہ ہی بنا رہے تھے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: عثمان! خدا کی جنت قبول کر، میں تیری اور تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں، انہیں جملوں کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان نے اسلام قبول کر لیا۔[۲]

قبول اسلام کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو شرف دامادی بخشا، اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ کو آپ کے عقد میں دے دیا، جو پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ کے نکاح میں تھیں، اعلان نبوت کے بعد ابولہب نے دشمنی میں عتبہ پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوادی تھی۔

حبشہ کی ہجرت: مکہ میں اسلام کی روز بہ روز ترقی مشرکین کے غیظ وغضب میں اور اضافہ کر رہی تھی، مسلمان ہر طرح سے ستائے جا رہے تھے، حضرت عثمان غنی بھی ظلم وستم کا نشانہ بنے، خود ان کے چچا نے انہیں باندھ کر مارا، اپنوں نے دشمنی اور روگردانی شروع کر دی، رفتہ رفتہ اتنی سختیاں بڑھ گئیں کہ برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ حالات کے پیش نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر اپنی اہلیہ حضرت رقیہ کو لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ ۱۱ر مرد اور چار عورتوں پر مشتمل تھا۔ یہ پہلا قافلہ تھا۔ جس نے دینِ اسلام کی خاطر وطن اور اہل وطن کو چھوڑا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حبشہ میں چند سال رہے قریش کے قبول اسلام کی غلط خبر سن کر صحابہ مکہ واپس آ گئے، یہاں معاملہ برعکس دیکھ کر بعض صحابہ پھر حبشہ چلے گئے، مگر حضرت عثمان واپس نہ ہوئے۔ مکہ کا ماحول پہلے سے زیادہ بدتر تھا، ظلم کے پنجے اپنی گرفت اور مضبوط کر چکے تھے۔

مدینہ کی ہجرت: جب ظلم کی آندھیاں تیز تر ہو گئیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ ہجرت کرنے عام اجازت دے دی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا، مدینہ میں اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور اوس بن ثابت کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کر دیا۔[۳]

---

[۲] اصابہ ۸ر تذکرہ سعد بنت کرز ص: ۱۷۷-۱۷۸۔ بیروت [۳] طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص: ۳۶۔ بیروت

بیرِ رُومہ کی خریداری: مدینہ میں مسلمانوں کو پانی کی بڑی دقت تھی، پورے شہر میں ایک کنواں، بیر رومہ تھا جس کا پانی پینے کے قابل تھا۔ اس کا مالک ایک یہودی تھا اس نے اس کنویں کو ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب یہ پریشانی دیکھی تو آپ اسے خریدنے کی فکر میں لگ گئے، بہ دقت تمام یہودی نصف کنواں بیچنے پر آمادہ ہوا، آپ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا، اور یہ شرط طے پائی کہ ایک روز حضرت عثمان کی باری ہوگی اور دوسرے دن یہودی کی، جس دن حضرت عثمان کی باری ہوتی مسلمان اتنا پانی بھر کر رکھ لیتے کہ دوسرے دن بھی کام کرتا، جب یہودی نے دیکھا کہ اب نفع نہیں ہوسکتا تو بقیہ نصف بھی حضرت عثمان کو فروخت کرنے پر راضی ہوگیا، آپ نے بقیہ آدھا آٹھ ہزار درہم میں خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔[۴]

غزوۂ بدر اور حضرت رقیہ کی علالت: مدینہ کی زمین مسلمانوں کے لیے بڑی سازگار ثابت ہوئی، لیکن مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، چناں چہ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے جنگ وجدال کا سلسلہ شروع کر دیا، اس سلسلہ کی سب سے پہلی جنگ غزوہ بدر ہے، جو رمضان ۲ھ میں پیش آئی، اس جنگ میں آپ شریک نہ ہوئے، آپ کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں بستر علالت پر تھیں اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ان کی تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا، اور خود تین سو تیرہ مجاہدین کا ایک مختصر سا لشکر لے کر بدر کی طرف روانہ ہوگئے۔

حضرت عثمان پوری تن دہی کے ساتھ تیمارداری میں لگے رہے، لیکن حضرت رقیہ کا وقت پورا ہو چکا تھا اس لیے وہ چند روز کے بعد وفات پاگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عثمان اور اسامہ بن زید تجہیز وتکفین میں تھے کہ بدر کی فتح وکامرانی کا مژدۂ جاں فزا ملا، حضرت عثمان پر دوہرا غم نازل ہوا، ایک حضرت رقیہ کی وفات کا اور دوسرا بدر کی عدم شرکت کا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی واپسی کے بعد آپ کو مجاہد قرار دیا، مال غنیمت اور ثواب میں برابر کا حصہ دار قرار دیا، اور اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے آپ کا عقد کر دیا۔ آپ کے عقد میں یکے بعد دیگرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آئیں اس لیے آپ کو ''ذوالنورین'' (یعنی دو نور والا) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[۵]

---

[۴] الاستیعاب ۲/۴۸۸ [۵] صفۃ الصفوۃ ج:۱، ص:۱۵۴، ابن جوزی

دیگر غزوات: شوال ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، آپ نے اس جنگ میں بڑی مردانگی دکھائی، لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہونے کی غلط خبر مشہور ہوئی تو کچھ صحابہ یہ سوچ کر جنگ سے رک گئے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہ رہے تو ہم لڑ کر کیا کریں گے مدینہ کی راہ لی ان میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ ایک اجتہادی غلطی تھی اس لیے اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔

۴ھ میں غزوۂ ذات الرقاع پیش آیا، جب اس مہم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بنایا۔ غزوۂ بنو نضیر اور غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔

ذو قعدہ ۶ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے، یہ خبر سن کر مشرکین مکمل جنگ کے لیے تیار ہو گئے، ان کے ظلم سے بچنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا، چوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ نہیں کرنی تھی، اس لیے آپ نے حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا، آپ جب مکہ پہنچے اور بات آگے بڑھائی تو لوگوں نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی، آپ کو مکہ میں روک لیا اور کہا کہ تم طواف کر سکتے ہو، آپ نے فرمایا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف کر لوں، مشرکین نے نگرانی سخت کر دی تا کہ واپس نہ جانے پائیں۔ اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان شہید کر دیے گئے، یہ خبر سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے خون کا انتقام لینے کے لیے صحابہ سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی اور اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے، یہ شرف و امتیاز حضرت عثمان کے علاوہ کسی کے حصہ میں نہیں آیا، بیعت کے بعد صحابہ کے اندر جنگ کے جذبات موج مارنے لگے، قریش نے حضرت عثمان کو واپس کر دیا، اس کے بعد چند شرائط پر دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہوئی اس بیعت کو بیعت رضوان اور صلح کو فتح مبین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ معرکۂ خیبر ۷ھ اور فتح مکہ ۸ھ میں آپ شریک رہے۔

جَیشِ عُسْرَہ: اسلام کی ترقی اور بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر رومیوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان روم پر اقتدار نہ حاصل کر لیں، چناں چہ شام کی رومی حکومت نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ایک زبردست لشکر تیار کیا، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

ان کی بدنیتی معلوم ہوئی تو آپ نے تدارک کے لیے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، کم وبیش تیس ہزار مجاہدین اسلام اکٹھا ہوئے۔ لیکن قحط سالی اور عسرت وتنگی کا زمانہ تھا اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگی سامانوں اور دیگر ضروریات جنگ کی فراہمی کی فکر لاحق ہوئی، آپ نے اپنے مالدار صحابہ کو تعاون کی ترغیب دی، اپنی وسعت کے مطابق اکثر لوگوں نے دل کھول کر حصہ لیا، عورتیں بھی مردوں سے کچھ پیچھے نہ تھیں، اپنے زیورات بارگاہ رسول میں پیش کر دیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک دولت مند تاجر تھے، انہوں نے تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے، اسی پر بس نہیں بلکہ ایک ہزار اونٹ ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لیے ایک ہزار دینار حاضر خدمت کیا، عثمان غنی کے اس ایثار پر رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے، اشرفیوں کو دست مبارک سے اچھالتے اور فرماتے، آج کے بعد عثمان کا کوئی کام انھیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔[۱]

۹ھ میں رومیوں نے مدینہ سے سات کلومیٹر پر مقام تبوک میں ایک لشکر جرار مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار کیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ ان کا زور توڑنے کے لیے تبوک پہنچے، تیس ہزار کا یہ لشکر دیکھ کر رومیوں پر اس قدر ہیبت چھا گئی کہ وہ جنگ سے ہمت ہار گئے اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکلے، آپ کفار کے دلوں پر اسلام کا رعب بٹھا کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

۱۰ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، حضرت عثمان اس میں بھی آپ کے ساتھ تھے، حج سے واپسی کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں وصال فرمایا، رحلت کے بعد خلافت صدیق وفاروق میں آپ مجلس شوریٰ کے اہم رکن رہے، آپ کے مشوروں کو بڑی اہمیت دی جاتی۔

خلافت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تذکرۂ شہادت کے تحت گزر چکا کہ آپ نے اپنے بعد خلافت کے لیے ان چھ حضرات کا نام لیا، علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ ان میں جس ذات گرامی پر پانچوں کا اتفاق ہو جائے اسے خلافت کے لیے چن لیا جائے۔ فاروق اعظم کی تجہیز وتکفین کے بعد مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں دو دن تک بحثیں ہوتی رہیں لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے دن حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا کہ وصیت چھ آدمیوں میں مشترک ہے اسے تین تک محدود کر دینا

۱: ترمذی، مناقب عثمان ص: ج:۲، ص:۲۱۱۔ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

چاہیے، اور جو جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام پیش کرے۔ حضرت زبیر نے حضرت علی کی نسبت رائے دی، حضرت سعد نے عبدالرحمٰن بن عوف کو پیش کیا، حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کا نام لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں، اب معاملہ صرف دو آدمیوں میں سمٹ گیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا آپ دونوں حضرات اس کے فیصلہ کا اختیار مجھے دے دیں، اس پر وہ دونوں راضی ہوگئے، رضامندی کے بعد آپ اور تمام صحابہ مسجد میں حاضر ہوئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مختصر تقریر کے بعد حضرت عثمان بن عفان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اس کے بعد حضرت علی نے بیعت کی، علی کی بیعت کے بعد تمام حاضرین بیعت کے لیے امڈ پڑے۔ ۲۹/ذوالحجہ ۲۳ھ میں لوگوں نے بیعت کی اور آپ نے یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو کاروبار خلافت سنبھالا اور بارہ سال تک مسند خلافت کی زینت رہے۔[۷]

خلافت کا بار سنبھالنے کے بعد سب سے پہلا مقدمہ جو آپ کی خدمت میں پیش ہوا وہ عبیداللہ بن عمر فاروق کا تھا، انہوں نے تین افراد کو اس شبہہ میں قتل کردیا کہ وہ ان کے والد کے قتل کی سازش میں شریک تھے، آپ نے اس سلسلہ میں صحابہ سے مشورہ لیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبیداللہ کو قتل کردیا جائے، مگر عمرو بن عاص نے کہا کہ یہ مناسب نہیں کہ کل باپ شہید ہوا اور آج لڑکا تلوار کے حوالے کیا جائے، آخر اس مسئلہ میں لوگوں کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہوگیا، موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قصاص کی سزا دیت میں تبدیل کردی اور اپنے پاس سے دیت کی رقم ادا کی۔ حضرت عثمان کے اس فیصلے نے ایک بہت بڑے فتنے کو فرو کردیا۔[۸]

فتوحات: عہد صدیقی اور دور فاروقی میں جب مفتوح قوموں کی رگِ شرارت پھڑکتی تو وہ عہد و پیمان توڑ کر باغی ہوجاتے پھر اسلامی لشکر ان کی سرکوبی کر کے دوبارہ علاقہ کو فرماں بردار بنا لیتا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض علاقوں میں بغاوتیں رونما ہوئیں، آپ نے پوری قوت سے اس کا دروازہ بند کیا، عہد فاروقی میں جدید فتوحات کے ذریعہ اسلامی حدودِ سلطنت کی توسیع کا جو عمل زوروں پر تھا اس میں کمی نہ آنے دی، حسب سابق اسلامی فوجیں ہر طرف پیش قدمی کرتی رہیں۔

اسکندریہ کی بغاوت: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمرو بن عاص مصر کے والی تھے، انہوں نے اپنی جنگی صلاحیتوں کی

۷: ابن سعد۔ صفۃ الصفوۃ ۱/۱۵۹ ۸: ابن اثیر ۲۹/۳۰

بنیاد پر مصر و اسکندریہ سے قیصری اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا، اسکندریہ میں رومی کافی تعداد میں تھے، جنھیں قیصر روم ہرقل ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہتا، لیکن فاروق اعظم کے دبدبہ کی وجہ سے وہ سر نہ اٹھاتے تھے، ان کی وفات کے بعد قیصر روم کی شہ پا کر رومیوں نے کھلم کھلا ۲۵ھ میں علم بغاوت بلند کر دیا، ان دنوں خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو پورے مصر کا گورنر بنا دیا تھا، لیکن مصریوں کی درخواست پر حضرت عثمان غنی نے دوبارہ عمرو بن عاص کو فوج کی کمان سنبھالنے کے لیے بھیجا، انہوں نے اپنی حکمت عملی اور جنگی تدابیر سے رومیوں کو شکست دی اور شہر دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا، اسکندریہ کے مصری باشندے قِبطی اس بغاوت میں رومیوں کے ساتھ نہ تھے، اس لیے بھاگتے وقت رومیوں نے انہیں کافی مالی نقصان پہنچایا جب عمرو بن عاص کو خبر ہوئی تو انہوں نے حتی الامکان ان کے نقصان کی تلافی کی۔

اَذَرْبِیْجَان اور اَرْمِیْنِیَّہ: عہد عثمانی ۲۵ھ ہی میں اذربیجان اور ارمینیہ کے امرا نے بغاوت کے لیے سر ابھارا، حضرت عثمان نے امیر شام حضرت معاویہ کو اذربیجان پر چڑھائی کا حکم دیا، انہوں نے حبیب بن مَسْلَمہ فِھْری کو چھ ہزار مجاہدین کا امیر بنا کر اذربیجان کے لیے روانہ کیا، حبیب بن مسلمہ فہری نے قَالِیقلا کا مستحکم قلعہ امن و جزیہ کی شرط پر مسخر کر لیا، حبیب نے یہاں کے مفسدوں کو جلاوطن کر دیا اور اسلامی فوج مرتب کرنے لگے، انہیں خبر ملی کہ ارمینیہ کے بِطْرِیْق (رومیوں کی فوج کا سردار) موریان نے مسلمانوں سے جنگ کے لیے زبردست فوج اکٹھا کر لی ہے، حبیب نے دربار خلافت میں مدد کی درخواست بھیجی، حضرت عثمان نے والی کوفہ ولید بن عَقْبَہ کو کمک بھیجنے کا حکم دیا، انہوں نے سلمان بن ربیعہ باہلی کی سرکردگی میں ایک لشکر ارمینیہ کے لیے روانہ کیا، ادھر حبیب نے کچھ دنوں تک تو انتظار کیا، مگر زیادہ صبر نہ کر سکے اور دشمن پر شب خون مار کر انہیں تتر بتر کر دیا، اس شب خون میں حبیب کی بیوی ام عبداللہ کلبیہ نے بھی ہتھیار بند ہو کر شرکت کی اور مردوں کی طرح شجاعت کے جوہر دکھائے۔

جب حبیب کی مدد کے لیے سلمان بن ربیعہ پہنچے تو دونوں سرداروں نے مل کر پورے ارمینیہ کو فتح کر لیا اور ارمینیہ کے شہر دوبارہ اسلامی خلافت کے زیر نگیں آ گئے۔[۱]

---

۱ خلفائے راشدین ص ۳۵۴، ۳۵۵۔

افریقہ کی فتح: اس وقت افریقہ ایک براعظم کا نام ہے، لیکن عہد قدیم میں مصر سے متصل موجودہ براعظم افریقہ کے شمالی خطہ پر ایک بڑی سلطنت تھی جو طرابلس اور طنجہ کے درمیانی علاقہ پر مشتمل تھی، اس طرح طرابلس، الجیریا، تیونس اور مراقش افریقہ میں شامل تھے، یہ علاقہ مشرق سے مغرب تک تقریباً ساڑھے تین سو میل تک پھیلا ہوا تھا، اس وقت افریقہ پر گری گوری (جرجیر) کی حکومت تھی، جو رومی سلطنت کا باج گزار تھا، اس علاقہ میں رومی اور بربری کثرت سے آباد تھے، حضرت عمرو بن عاص نے طرابلس اور بَرقَہ کی فتوحات کے بعد آگے بڑھنا چاہا، مگر حضرت عمر فاروق نے انہیں روک دیا تھا، حضرت عثمان کے دور خلافت میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے جب مصر واسکندریہ کو فتح کرلیا تو انہوں نے افریقہ پر فوج کشی کے لیے دربار خلافت سے اجازت چاہی، حضرت عثمان غنی نے ۲۶ھ میں اجازت دے دی۔

عبداللہ بن ابی سرح دس ہزار مجاہدین اسلام کے ساتھ آگے بڑھے، گری گوری کے پایہ تخت سُبَیطِلہ کے قریب پہنچے تھے کہ اس کی فوج نے تقریباً دو لاکھ کی فوج لے کر راستہ روک لیا، مجاہدین اسلام بڑی بے جگری سے لڑتے رہے، مگر مدتوں کی جنگ کے باوجود فیصلہ نہ ہوسکا، کئی ماہ تک اس لشکر کی کوئی اطلاع نہ ملی تو حضرت عثمان غنی نے صحابہ سے مشورہ کرکے ایک تازہ دم لشکر عبداللہ بن زبیر کی قیادت میں روانہ کیا، جس میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر طیار، عبداللہ بن عمرو بن عاص، حسن، حسین اور دیگر صحابہ وتابعین نے شرکت کی، جب یہ لشکر میدان کارزار میں پہنچا تو مسلمانوں نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

دوسرے دن عبداللہ بن زبیر نے لشکر میں بدنظمی دیکھی تو پوچھا کہ عبداللہ بن ابی سرح کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ گری گوری نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص عبداللہ بن ابی سرح کا سر لائے گا میں اسے ایک لاکھ دینار دوں گا، اور اپنی لڑکی سے اس کی شادی کردوں گا، اس لیے اندیشۂ جان کی وجہ سے وہ میدان جنگ میں نہیں آئے، ابن زبیر، ابن ابی سرح کے پاس آئے اور کہا کہ تم بھی اعلان کرادو کہ جو شخص گری گوری کا سر میرے پاس لائے گا، میں اس کی بیٹی سے اس کی شادی کردوں گا اور اسے ایک لاکھ دینار دوں گا، اور اس کے ملک پر اس کو حکمراں بنادوں گا، عبداللہ بن ابی سرح نے جب یہ اعلان کردیا تو گری گوری بہت خوف زدہ ہوا، اسے وہ اپنے آدمیوں سے بھی ڈرنے لگا۔ اور میدان جنگ میں آنے کے بجائے محفوظ پناہ گاہ اختیار کرلی۔

جنگ کا طریقہ یہ تھا کہ دونوں لشکر روزانہ میدان میں آتے اور دوپہر تک جنگ کرکے

اپنے خیموں میں لوٹ جاتے ،عبداللہ بن زبیر نے یہ صورت حال دیکھ کر عبداللہ بن ابی سرح امیر لشکر کو یہ مشورہ دیا کہ آزمودہ کار سپاہیوں کی کثیر تعداد خیموں میں رہنے دو اور باقی سپاہیوں کو لے کر مقابلہ کرو اور جب دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں میں چلی جائیں ،تب مجاہدین اسلام کی تازہ دم فوج ان کے خیموں پر اچانک حملہ کردے ،جب دوپہر میں دونوں فوجیں تھکی ماندی خیموں میں پہنچیں تو عبداللہ بن زبیر نے طے شدہ پروگرام کے مطابق تازہ دم مجاہدین کو لے کر رومیوں پر یکا یک حملہ کردیا ،رومی اچانک حملے سے بدحواس ہوگئے ،مسلمانوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کردیا ،ابن زبیر نے موقع پاکر گری گوری کو ایک ہی وار میں قتل کردیا ، گری گوری (جرجیر) کے قتل نے ان کے حوصلے پست کردیے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ چلے۔

اس فتح کے بعد سبیطلہ کو بھی فتح کرلیا گیا۔ مسلمانوں کو بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا ، چونکہ عبداللہ بن زبیر نے گری گوری کو قتل کیا تھا اس لیے اعلان کے مطابق انہیں ایک لاکھ دینار انعام دیا گیا اور گری گوری کی بیٹی ان کے حصہ میں آئی۔

سُبَیْطِلَہ کی فتح کے بعد ابن ابی سرح نے ان کے مستحکم قلعہ اُجم کا محاصرہ کرلیا ،یہ فوجی نقطۂ نظر سے بڑا اہم تھا ،اس لیے رومیوں نے اسے بچانے کی بھرپور کوشش کی ،مگر مسلمانوں کی ہیبت سے وہ میدان میں نہ آسکے بالآخر دس لاکھ پانچ سو دینار جزیہ پر صلح کرلی اس طرح پورا افریقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

قبرس کی فتح: حضرت فاروق اعظم کے دور خلافت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صوبۂ دمشق کے والی تھے ،حضرت عثمان نے انہیں پورے شام کا والی بنادیا تھا۔

قبرس جسے اب سائپرس کہا جاتا ہے ،شام کے قریب ایک زرخیز جزیرہ ہے جہاں سے رومی یلغار کا اندیشہ ہمہ وقت تھا ، یہ خطرہ اس وقت تک باقی رہتا جب تک کہ یہ بحری ناکہ مسلمانوں کے قبضے میں نہیں آتا۔

امیر معاویہ نے اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی ،لیکن حضرت عمر نے سمندری خطرات کا احساس کرتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ سے بھی امیر معاویہ نے قبرس پر حملہ کی اجازت چاہی ، ابتدائی چھ سالوں میں آپ نے بھی اجازت نہیں دی ،مگر جب انہیں یقین ہوگیا کہ بحری جنگ میں کوئی خطرہ نہیں تو آپ نے اس طور پر اجازت دی جو بخوشی شریک ہونا چاہے اسے شریک کیا جائے ، جبراً اور قرعہ اندازی سے کسی کو شامل نہ کیا جائے۔

اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہ نے ۲۸ھ میں قبرس پر حملہ کر دیا، یہاں کے باشندے جنگ وجدال سے بہت دور رہتے تھے، اس لیے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ اور یہ شرط تھی کہ مسلمان قبرس کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے، رومیوں کے مقابلہ کے لیے اہل قبرس مسلمانوں کو اپنے جزیرہ سے گزرنے دیں گے، اور رومیوں کے حالات سے باخبر کرتے رہیں گے، کچھ دنوں تک اس صلح پر وہ عمل پیرا رہے، لیکن ۳۳ھ میں اہل قبرس نے مسلمانوں کے خلاف رومی جہازوں کی مدد کی، اس لیے امیر معاویہ نے دوبارہ حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور اسلامی ممالک میں شامل کر لیا۔ [9]

والی بصرہ کی معزولی : حضرت فاروق اعظم کے عہد سے حضرت ابو موسی اشعری بصرہ کے گورنر تھے، حضرت عثمان غنی کے ابتدائی چھ برسوں تک آپ اسی منصب پر فائز رہے، دور فاروقی ہی سے ایک جماعت آپ کے خلاف رہی، لیکن فاروقی رعب نے مخالفین کو سر نہ اٹھانے دیا، عہد عثمانی میں ان کی مخالفت نے زور پکڑا، اسی دوران کُردوں نے بغاوت کر دی، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے جہاد کے تعلق سے وعظ کہا اور پیدل چل کر جہاد کرنے کے فضائل بیان کیے، اس وعظ کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے وہ لوگ جن کے پاس سواریاں موجود تھیں وہ بھی سواریاں چھوڑ کر پا پیادہ چلنے کو تیار ہو گئے، لیکن مخالف جماعت نے کہا کہ ہمیں جلدی نہیں کرنی چاہیے دیکھیں کہ ہمارا امیر کس شان سے چلتا ہے، صبح دار الامارۃ کے قریب مجاہدین اکٹھا ہوئے اور ابو موسیٰ اشعری اس شان سے نکلے کہ وہ ایک ترکی گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس خچروں پر ان کا سامان لدا تھا، مخالفین نے یہ سنہرا موقع دیکھ کر سواری روک دی اور کہا کہ قول وفعل میں یہ اختلاف کیسا، آپ لوگوں کے سامنے پیدل جہاد کرنے کے فضائل بیان کریں اور پا پیادہ چلنے کی ترغیب دیں اور خود اس کے خلاف کریں، سواری ہم کو دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو۔ اس مخالفت پر ابو موسی اشعری نے کوڑا مارا، یہ لوگ شکایت لے کر دربار عثمانی میں پہنچے اور ان سے ابو موسیٰ اشعری کی معزولی کا مطالبہ کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۲۹ھ میں ابو موسیٰ اشعری کو معزول کر کے عبد اللہ بن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا۔ [10]

ایران کی بغاوت : حضرت فاروق اعظم کے عہد خلافت میں ایران فتح ہو چکا تھا اور یزدگرد نے بھاگ کر ترکستان میں پناہ لی تھی، مگر اقتدار کی ہوس میں وہ برابر ایرانیوں کو بغاوت پر ابھارتا رہتا، دور فاروقی میں تو اس کی کوئی اسکیم کامیاب نہ ہوئی، ان کی

---

[9] تاریخ ابن اثیر ج:۲، ص:۴۶۸۔۴۶۹۔ [10] تاریخ ابن اثیر ج:۲، ص:۴۷۲۔

وفات کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ۲۹ھ میں بغاوتوں کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا، کِرمَان ، سِجِسْتان اور خُرَاسان بغاوت کی لپیٹ میں آ گئے ، جب بغاوتوں کا زور بڑھا تو دربارِ خلافت سے والی بصرہ عبداللہ بن عامر اور حاکم کوفہ سعید بن عاص کو بغاوتوں کو فرو کرنے کا حکم جاری ہوا، دونوں والی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ بڑھے ،ابن عامر نے مُجَاشِع ابن مَسْعُود سُلَمِی کو کرمان کی طرف روانہ کیا، ربیع بن زیاد کو بجستان بھیجا اور خود خُراسان کی طرف روانہ ہوئے ،اس طرح ان مجاہدوں نے پوری قوت سے مقابلہ کیا اور ایران پر دوبارہ قبضہ حاصل کیا۔

متفرق فتوحات: ۳۰ھ میں ولید بن عقبہ والی کوفہ معزول کر دیے گئے اور ان کی جگہ سعید بن عاص کا تقرر ہوا، فاروقی دورِ خلافت میں اہل طبرستان نے صلح کر لی تھی ،مگر عجم کی بغاوتوں کے سلسلہ میں انہوں نے بھی معاہدہ صلح توڑ دیا،اس لیے حضرت سعید بن عاص نے ۳۰ھ میں طبرستان پر فوج کشی کی ،اس مہم میں امام حسن ،عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ شریک تھے ،سعید بن عامر جرجان پہنچے ، یہاں کے باشندوں نے دو لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی ،اس کے بعد پورا طبرستان ان کے قبضہ میں آ گیا۔

خراسان کی بغاوت ختم کرنے کے بعد عبداللہ بن عامر نے بُست ، اَسْفَرَایِیْن، خَواف اور اَرْغِیَان کو فتح کر کے نَیْسَاپور کا رخ کیا،ایک ماہ کے محاصرہ کی سختی جھیلنے کے بعد وہاں کے سرداروں نے صلح کر لی،اس فتح کے بعد ابن عامر نے قیس بن ہیثم سُلمی کو نَیسَاپور پر مامور کیا۔

ابن عامر نے نَسا، اَبِیْوَرْد اور سَرْخَس کی طرف لشکر روانہ کیا ، یہاں کے باشندوں نے صلح کر کے اطاعت کا اقرار کیا، سرخس کے سردار نے جنگ کی مگر کمزوری کا احساس کرتے ہوئے سو آدمیوں کی امان پر شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے کا اقرار کیا، شمار کے وقت اپنے آپ کو بھول گیا،لشکر اسلام نے اسے قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

طوس کے مرزُبان (سردار) نے جنگ کے بغیر چھ لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی، ہرات کی طرف عبداللہ بن حازم نے لشکر کشی کی ،هَرات کے حاکم نے دس لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی،مرو کے مرزبان نے دو کروڑ دس لاکھ درہم پر صلح کر لی۔

عبداللہ بن عامر نے ۳۰ھ میں احنف بن قیس کو طخارِستان کی طرف بھیجا آپ نے طخارِستان کے مختلف شہروں کو صلح و فتح سے اپنے قبضہ میں کر لیا۔

۳۰ھ میں کِرمَان ، سِجِسْتَان ، کَابُل اور زَابُلِسْتَان مسلمانوں کے قبضہ میں آئے یہ تمام فتوحات عبداللہ بن عامر کے زمانۂ اِمارت میں ہوئیں۔

یزدگرد کو خراسان کی تسخیر کے بعد کہیں مستقل پناہ نہ مل سکی، ادھر اُدھر بھٹکتا رہا، ۳۱ھ میں ایک دیہاتی کے ہاتھوں قتل ہوا، اس نے قیمتی لباس اور زیورات اتار کر لاش دریا میں پھینک دی۔[۱۱]

عہد عثمانی کے ان اہم معرکوں اور فتوحات کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی جنگیں اور فتوحات ہوتی رہیں، سلطنت اسلامی کی توسیع میں جن کا بڑا دخل رہا، حضرت عثمان کی کوششوں اور مجاہدین کے حوصلوں کی وجہ سے اسلامی حکومت کی حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر افریقہ اور یورپ کی سرحدوں تک پھیل گئیں۔

داخلی فتنے: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دور خلافت کے چھ سال بڑے امن وسکون سے گزرے، نظام سلطنت عہد فاروقی کے طرز پر قائم رہا، دور فاروقی تک اسلامی حکومت دنیا کی سب سے بڑی بَرِّی طاقت تھی، عہد عثمانی میں وہ ایک عظیم بحری طاقت بھی بن چکی تھی، لیکن خلافت کے آخری چھ سال شدید فتنہ وفساد کی گرفت میں رہے، مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پیدا ہو گئے، محبت ومروت کی جگہ نسلی اور علاقائی عصبیت نے لے لی۔ فتنہ وفساد کے یہ جراثیم چپکے چپکے بہت پہلے سے پروان چڑھ رہے تھے، اور موقع پا کر اچانک ظاہر ہو گئے۔ ان فتنوں کے اسباب میں سے چند یہ ہیں:

(۱) صحابۂ کرام جو چشمۂ نبوت سے براہ راست فیض پا چکے تھے آہستہ آہستہ دنیا سے اٹھتے رہے اور جو حضرات باحیات رہے وہ بڑھاپے کی وجہ سے عملی زندگی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہے، ان کی اولادان کی جگہ رہی جن کے اندر آبا و اجداد جیسا ایثار اور خلوص نہ رہا، اس لیے اپنے اسلاف کی طرح وہ رعایا کے لیے زیادہ مفید ثابت نہ ہو سکے، مال ودولت اور جاہ ومرتبہ نے آپس میں رنجش اور دشمنی پیدا کر دی تھی۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی تھی کہ انہوں نے قریش کے اکابر صحابہ کو جن کے دلوں میں خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا مدینہ سے باہر نہ جانے دیا، حضرت عثمان غنی نے یہ قید اٹھا دی جب یہ لوگ باہر نکلے تو لوگوں نے خاندان رسالت کا احترام کرتے ہوئے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں اپنی جلالت شان کا احساس پیدا ہو گیا اور شر پسندوں نے ان کے اندر خلافت کے جذبات پیدا کر دیے۔

(۳) مسلمانوں نے جن قوموں پر فتح حاصل کی تھی، ان کے اندر بڑے سخت انتقامی جذبات موجود تھے، انہوں نے خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے ہر طرف وسیع پیمانے پر

---

[۱۱] تلخیص تاریخ ابن اثیر و خلفائے راشدین

سازشوں کے جال بچھا دیے۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق کی وجہ سے بنو ہاشم خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے، بنو ہاشم اور بنو امیہ میں پرانی چشمک تھی جو عہد نبوی سے خلافت فاروقی تک دبی رہی اس کے بعد پھر ابھر آئی اس لیے حضرت عثمان غنی کی خلافت ان کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔

(۵) حضرت عثمان غنی بڑے نرم دل اور کنبہ پرور تھے، اس لیے اپنی جیب خاص سے اپنے قبیلہ کے لوگوں کی بڑی مدد کرتے تھے، اس سے لوگوں کو شبہہ ہوا کہ یہ تعاون بیت المال سے کیا جا رہا ہے۔

(۶) معمولی بدعنوانیوں سے چشم پوشی آپ کی فطرت میں داخل تھی، اس لیے بعض اموی عمال کی بدعنوانیاں بڑھتی گئیں جس کی وجہ سے مخالفین کو اعتراض کا خوب موقع ملا۔

ان ناخوشگوار حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہودیوں اور مجوسیوں نے مسلمانوں سے اپنی پرانی دشمنی کا دل کھول کر بدلہ لیا، اس تحریک کو پروان چڑھانے میں ان دونوں قوموں کا کلیدی کردار رہا۔

ابن سبا کا فتنہ: جزیرۃ العرب میں اسلامی اقتدار کا آغاز ہوتے ہی حجاز کے یہود نے اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا آغاز کر دیا، دشمنی کے مختلف طریقے اپنائے گئے ان کا سب سے کامیاب حربہ منافقت تھا، وہ بہ ظاہر مسلمان بن کر اسلام اور مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچاتے۔

عبداللہ بن سبا جو یمن کے شہر صنعا کا رہنے والا بڑا ذہین اور مکار یہودی تھا، چوں کہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو اسلام سے زیادہ نقصان پہنچا، اس لیے وہ اسلام کے سخت دشمن تھے، عہد نبوی سے دور فاروقی تک تو وہ اسلام اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، لیکن حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں خلافت عثمانی پر نکتہ چینیاں شروع ہو گئیں تو اس وقت عبداللہ بن سبا یہودی کو پرانی دشمنی نکالنے کا موقع ملا، وہ یہودی رہ کر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے اس نے ایک منافقانہ چال چلی اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حضرت عثمان بلکہ اسلام کے خلاف سازش شروع کر دی، اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے وہ سب سے پہلے صَنْعَا سے مدینہ آیا، یہاں اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ مسلمانوں کے اندرونی معاملات اور ان میں پیدا ہونے والی کمزوریوں کا جائزہ لیا، پھر وہاں سے بصرہ پہنچا اور ایک بدکردار شخص حکیم بن جبلہ کے مکان پر قیام کیا، وہاں سے اس نے مسلمانوں کے اندر افتراق اور انتشار کا بیج بونا شروع

کیا، خفیہ طور پر اس نے اپنے خیالات اور عقائد کی تبلیغ شروع کردی، اس کے گمراہ کن عقائد میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عیسیٰ کی طرح دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

(۲) ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، اس سے بڑا ظالم کون ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل نہیں کیا اور رسول کا حق غصب کر کے امت اسلامیہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

(۳) عثمان نے خلافت پر ناحق قبضہ کرلیا ہے، اس کے اصلی حق دار حضرت علی موجود ہیں تم پر فرض ہے کہ حضرت علی کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے والیوں اور حکام کے عیب بیان کرو اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر کے عوام کو اپنی طرف مائل کرو۔

جب والی بصرہ عبداللہ بن عامر کو عبداللہ بن سبا کی اس خفیہ تحریک کا علم ہوا تو انہوں نے تحقیق کے بعد اسے شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا، وہ کوفہ پہنچا اور اپنے باطل نظریات کی تبلیغ کر کے بہتوں کو اپنا ہم نوا بنالیا، والی کوفہ سعید بن عاص کو جب ان سازشوں کا علم ہوا تو انھوں نے اسے شہر بدر کردیا، وہاں سے وہ دمشق چلا گیا، اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی تحریک شروع کردی، اس کی شرارت جلد واضح ہوگئی تو امیر شام حضرت امیر معاویہ نے اسے شام سے باہر نکال دیا اور شام اس کی خرافات سے بچ گیا، شام سے وہ مصر پہنچا وہاں کی سرزمین اس کی گمراہ کن تحریک کے لیے سازگار ثابت ہوئی، مصر میں پہلے ہی سے محمد بن ابی بکر اور محمد بن حذیفہ جیسے اکابر حضرت عثمان اور والی مصر ابن سرح کی مخالفت پر کمر بستہ تھے، مصری عوام کا ایک گروہ بھی مصری انتظام سے ناراض تھا۔

ابن سبا نے مصر میں قدم جما کر اپنی باطل تحریک کو خوب فروغ دیا، خفیہ جنگ کے لیے اس نے ماہر فوجیوں کی تربیت شروع کردی اور تربیت یافتہ افراد کو مختلف شہروں میں بھیج کر انقلاب کی فضا ہموار کرنے لگا اور ساتھ ہی کوفہ اور بصرہ سے بھی برابر رابطہ رکھا، اس نے سادہ لوح مسلمانوں میں گورنروں اور امیروں کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان غنی کے خلاف نفرت وعداوت کے جذبات پیدا کردیے، بعض مخلص مسلمان بھی محض غلط فہمیوں کا شکار ہوکر سبائی فرقے میں شامل ہوگئے، اس طرح اس نے ایک بہت بڑی طاقت بنالی، ممالک اسلامیہ کے گونروں کی غلط شکایتیں اور جھوٹے الزامات لکھوا کر دربار خلافت میں بھجواتا، ان پروپگنڈوں پر توجہ نہ دینے

کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر بدگمانیاں پیدا کرتا، خلیفۃ المسلمین نے جب پتا لگایا تو یہ ساری باتیں بے اصل معلوم ہوئیں، لیکن انہوں نے اپنی نرم خوئی کی وجہ سے مجرمین کو چھوڑ دیا، حالانکہ لوگوں نے کہا کہ اس تحریک کو سختی کے ساتھ کچل دینا چاہیے اور اس کے سرغنہ کو قتل کر دینا چاہیے۔

جب لوگوں کے دلوں میں حضرت عثمان غنی کے خلاف بدگمانیاں خوب رچ بس گئیں تو اس نے دارالخلافہ مدینہ پر حملہ کر کے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی کا کام تمام کرنے کی اسکیم بنائی۔

سبائی فرقے کا پہلا پروگرام تو یہ تھا کہ امرا اور حکام جوں ہی حج سے واپس جانے لگیں تو فتنہ برپا کر دیا جائے، مگر کسی وجہ سے اس میں رکاوٹ پڑ گئی، اب انہوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ مصر، بصرہ اور کوفہ تینوں مقامات سے کچھ لوگ وفد کی شکل میں مدینہ جائیں اور یہ مشہور کر دیں کہ وہ خلیفہ کے پاس حکام کی بدعنوانیوں کی شکایت لے کر جا رہے ہیں، اس طرح ان سے کوئی مزاحمت نہ کرے گا، اس اسکیم کے مطابق وفد مدینہ کے قریب پہنچ گیا، حضرت عثمان غنی نے دو صحابہ کو بھیجا کہ وہ ان سے پوچھیں کہ ان کے مطالبات کیا ہیں، ان حضرات نے واپس آ کر بتایا کہ وہ آپ کی خلافت سے خوش نہیں ہیں، اور آپ کی غلطیاں نکال کر آپ کو خلافت سے الگ کرنا چاہتے ہیں، ان کی خواہشات کے مطابق اگر آپ خلافت سے دست بردار نہ ہوئے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے، یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، اور انصار و مہاجرین سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے لوگوں نے مشورہ دیا کہ ان فتنہ پروروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تا کہ فتنہ یہیں سے رک جائے، لیکن حضرت عثمان غنی شرعی حد کے بغیر کسی مسلمان کا قتل نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے ان سے ان کی شکایتیں سنیں اور ہر ایک کا معقول جواب دیا۔

شہادت: مصریوں کا مطالبہ تھا کہ امیر عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر دیا جائے حضرت عثمان نے فرمایا کہ مصری اپنا امیر خود چن لیں، چناں چہ انہوں نے محمد بن ابی بکر کا نام پیش کیا، آپ نے ابی سرح کی معزولی اور محمد بن ابی بکر کے تقرر کا پروانہ لکھ کر دے دیا جسے لے کر محمد بن ابی بکر مصریوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ بہ ظاہر مطمئن ہو کر باغی جماعتیں اپنے اپنے صوبوں کی طرف لوٹ گئیں، اہل مدینہ کو سکون حاصل ہوا، مگر ابھی چند دن گزرے تھے کہ اچانک رات کے وقت مدینہ کے ارد گرد نعرۂ تکبیر اور انتقام انتقام کی صدائیں گونجنے لگیں، صبح ہوئی تو حضرت عثمان کا مکان بلوائیوں کے گھیرے میں تھا، پورے مدینہ پر شورشوں کے بادل منڈلا رہے تھے اور بلوائی اعلان کر رہے تھے کہ جو شخص مقابلہ سے ہاتھ روک لے گا وہ مامون ہے

صبح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلوائیوں سے پوچھا کہ واپس چلے جانے کے بعد تمھیں کس چیز نے بلایا؟ بلوائیوں نے جواب دیا کہ ہم نے راستے میں ایک قاصد کو پکڑا جس سے امیر مصر کے نام یہ خط برآمد ہوا۔

جس وقت تیرے پاس محمد اور فلاں فلاں اشخاص جائیں تو تم ان کو کسی حیلہ سے قتل کر دینا اور جو لوگ تمہاری شکایتیں یہاں لے کر آئے تھے ان کو قید کر دینا اور تا حکم ثانی اپنے عہدہ پر قائم رہنا۔

حضرت علی نے جب یہ فرمان دیکھا تو محمد بن مَسلمہ کو ساتھ لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے اور حقیقت دریافت کی، انہوں نے اس خط سے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا نہ میں نے یہ خط لکھا ہے اور نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم ہے، حضرت علی اور محمد بن مَسلَمہ مطمئن ہو گئے، خود باغیوں کو بھی حضرت عثمان کی صداقت پر اعتماد تھا، ان کے انکار پر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ کسی فسادی کی شرارت ہے۔

یہ خط جس نے فتنہ کی آگ لگائی کس نے لکھا ایک مُعَمّٰی ہے، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے میر منشی مروان بن حکم نے لکھ کر اس پر خلیفہ کی مہر لگا دی، لیکن قرینہ یہ بتا رہا ہے کہ یہ جعلی خط ابن سبا یا اس کی کسی حامی کا کرشمہ تھا، جس طرح انہوں نے حضرت عثمان اور ان کے گورنروں پر بے بنیاد جھوٹے الزامات پورے عالم اسلام میں مشہور کر دیے تو اس طرح کا جعلی خط تیار کرنا ان کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔

ابتداءً بلوائیوں کا محاصرہ سخت نہ تھا، حضرت عثمان باہر آتے جاتے، لوگوں کی امامت کرتے خود بلوائی بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھتے، وقتاً فوقتاً خلیفۃ المسلمین انہیں ہدایتیں کرتے اور اس شر انگیزی سے باز رہنے کی تلقین کرتے مگر ان پر ان کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوتا، روز بہ روز ان کے محاصرہ میں سختی آتی گئی، یہ حالت دیکھ کر صحابہ نے چاہا کہ بزور شمشیر انہیں مدینہ سے باہر کیا جائے، جب حضرت عثمان کو پتا چلا تو آپ نے انہیں روک دیا۔

باغیوں کو یہ فکر تھی کہ اگر محاصرے کی خبر دور دور تک پھیل گئی تو باہر سے فوجیں آ جائیں گی اور حج کے ایام بالکل قریب آ گئے ہیں، امیر المومنین کا یہ حال سن کر حج کے فوراً بعد لوگ مکہ سے مدینہ کا رخ کر لیں گے اور ہم مقصد میں کامیاب نہ ہو پائیں گے، اس لیے فیصلہ کر لیا کہ جلد از جلد عثمان کو قتل کر دیا جائے، محاصرے کے چالیس دن پورے ہو چکے تھے، بلوائی پورے عزم کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھے جہاں حسن و حسین، ابن زبیر، محمد بن طلحہ وغیرہم (رضی اللہ عنہم)

نے انہیں آگے نہ بڑھنے دیا، حامیان عثمان کا یہ رنگ دیکھ کر محاصرین نے عمرو بن حزم کے مکان کی جانب سے سیڑھی لگائی اور پیچھے سے گھر میں داخل ہو گئے، انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان غنی تلاوت قرآن میں مصروف ہیں، ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے مطالبہ کیا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں آپ نے صاف انکار کر دیا، اس کے بعد محمد بن ابی بکر آگے بڑھے وہ آپ کی مبارک داڑھی پکڑ کر گستاخی کرنے لگے، حضرت عثمان غنی نے فرمایا: بھتیجے! آج تمہارے باپ زندہ ہوتے تو انہیں تمہاری یہ حرکت پسند نہ آتی، محمد بن ابی بکر شرمندہ ہوئے اور پیچھے ہٹ گئے، اس کے بعد قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی نے حملہ کیا، غافقی نے لوہے کی سلاخ آپ کے سر پر ماری سر سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا اور قرآن مقدس کے اوراق خون آلود ہو گئے، پھر سودان نے تلوار سے حملہ کیا، حضرت نائلہ بنت فراضہ بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو تلوار کی زد میں آ گران کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ اسی ظالم کے حملے نے خلیفہ سوم کی شمع حیات گل کر دی، شہادت کے وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ آیت کریمہ تھی۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔[۱۲]

تو اے محبوب عن قریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی ہے سنتا جانتا۔ (کنز الایمان)

اس وقت حضرت عثمان کے چند غلام آئے ایک نے سودان کو تہ تیغ کر دیا، قتیرہ نے بڑھ کر غلام کی گردن اڑا دی، لیکن ایک دوسرے غلام نے قتیرہ کا کام تمام کر دیا، اسی دوران بلوائیوں کا ہجوم اندر داخل ہوا اور عمرو بن حمق نے آگے بڑھ کر امیر المومنین کے سینۂ مبارک پر نیزوں سے متعدد وار کیے، ایک شخص نے سر مقدس قلم کرنے کا ارادہ کیا تو نائلہ اور ام بنین چلا کر لاش پر گر پڑیں، ابن عدیس نے کہا جانے دو سر نہ کاٹو اس کے سر سے ہمیں کوئی سروکار نہیں بلوائیوں نے حضرت عثمان کا سارا اثاثہ لوٹ لیا، عورتوں کے زیورات چھین لیے، حضرت نائلہ کی چادر لے لی، پھر یہ سرکش بیت المال کی طرف بڑھے اور اسے بھی لوٹ لیا۔ کابل سے مراکش تک پھیلی ہوئی اس وقت کی سب سے بڑی سلطنت کے فرمانروا شرم و حیا کے پیکر جمیل نے ۱۸؍ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰؍ مئی ۶۵۶ء بروز جمعہ بعد نماز عصر ظالموں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمالیا۔

شہادت سے چند روز پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو یہ تنبیہ فرمائی تھی کہ واللہ اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو قیامت تک نہ ایک ساتھ نماز پڑھ سکو گے نہ ایک ساتھ جہاد کر سکو گے، آپ کی یہ تنبیہ حرف بہ حرف صادق آئی کہ اس کے بعد مسلمان مختلف جماعتوں اور فرقوں میں بٹ گئے اور مسلمانوں کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں کے خون کی پیاسی ہو گئیں، خانہ

---

۱۲ ا/۱۳۷۔ بقرہ۔

جنگی نے اسلامی قوتوں کو رفتہ رفتہ کمزور کر دیا، اسلامی فتوحات کی رفتار سست پڑنے لگی، جو حکومتیں مسلمانوں کی بہادری اور ان کی جنگی قوتوں سے خوف زدہ رہتی تھیں اب آنکھیں دکھانے لگیں۔

آپ کی شہادت سے پورے مدینہ پر سناٹا طاری ہو گیا تھا، بلوائی بڑی بے باکی سے مدینہ میں پھرتے رہے اور خوف و ہراس کا ماحول پیدا کرتے رہے۔

شہادت کے وقت آپ کی عمر ۸۵ سال تھی، ایام خلافت بارہ دن کم بارہ سال تھے۔[۱۳]

بیویاں اور اولاد: آپ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور بعض سے اولاد بھی ہوئیں۔

(۱) رقیہ بنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ وفات ۲ھ اولاد۔ عبد الرحمٰن، ان کا بچپن میں انتقال ہو گیا۔

(۲) ام کلثوم بنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ وفات ۹ھ، اولاد کوئی نہیں۔

(۳) فاختہ بنت غزوان مُضری	اولاد	عبد اللہ اصغر
(۴) ام عمرو بنت جُندب ازدی	اولاد	عمرو، خالد، ابان، عمر، مریم
(۵) فاطمہ بنت ولید مخزومی	اولاد	ولید، سعید، ام سعید
(۶) ام البنین بنت عیینہ بن حصن	اولاد	عبد الملک
(۷) رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ	اولاد	عائشہ، ام ابان، ام عمرو
(۸) نائلہ بنت فراضہ	اولاد	مریم صغریٰ، ام خالد ام ابان صغریٰ
(۹) اسما بنت ابی جہل	اولاد	مغیرہ
(۱۰) کنیز	اولاد	ام البنین[۱۴]

عہد عثمانی کے نمایاں کارنامے: شروع کے تقریباً چھ سالوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع ملا، ان مختصر ایام میں آپ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے، بیشتر ممالک فتح و صلح کے ذریعہ اسلامی مملکت میں شامل کیے، نظام حکومت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مکمل کر دیا تھا تاہم جن گوشوں کو آپ نے نامکمل سمجھا ان کی تکمیل کی۔ گویا معمولی ترمیم کے ساتھ نظام

۱۳: ماخوذ تاریخ ابن اثیر، تاریخ الخلفا، خلفاے راشدین، طبقات ابن سعد۔ ۱۴: صفۃ الصفوۃ ج:۱ ص:۱۵۴۔۱۵۵، خلفاے راشدین۔ ص:۴۲۰، ۴۲۱

فاروقی پر عمل پیرا رہے۔اس سلسلہ میں آپ کا سب سے نمایاں کام بحری فوج کا قیام ہے۔

مسجد نبوی کی توسیع: تعمیری خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سب سے روشن کارنامہ مسجد نبوی کی توسیع ہے۔ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں مسجد کی توسیع ہوئی لیکن نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے وہ بھی تنگ پڑ گئی۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمان نے تعمیر جدید اور توسیع کا عظیم کام ماہ ربیع الاول سے شروع کیا، دس ماہ میں یہ عظیم الشان مسجد بن کر تیار ہوگئی، پتھر اور چونا بطن نخل سے منگایا گیا، منقش پتھر استعمال کیے گئے۔ مضبوطی کے لیے ستونوں میں سیسے پلائے گئے، حضرت عمر کے زمانے میں مسجد کی لمبائی ایک سو چالیس گز اور چوڑائی ایک سو بیس گز تھی اور تعمیر عثمانی میں لمبائی ایک سو ساٹھ گز اور چوڑائی ایک سو پچاس گز ہوگئی۔ فرش اور چھت بھی پختہ بنائے گئے۔ تعمیر فاروقی میں چھ دروازے تھے، تعمیر عثمانی میں بھی چھ باقی رکھے گئے [۱۵]

جمع قرآن : خدمات دین کے سلسلہ میں آپ کا ایک زبردست کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کو ایک قرآن اور ایک قراءت پر متحد کردیا۔ عہد صدیقی میں کلام اللہ کی تدوین کا کام ہو چکا تھا، لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی، بعض الفاظ کا املا اور تلفظ مختلف طریقوں سے ہوسکتا تھا اس لیے صحابہ مختلف طریقوں سے املا اور تلفظ کیا کرتے تھے اور معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ لیکن جب اسلام عجمیوں میں پہنچا تو قراءت واملا کے تعلق سے ان میں اختلافات پیدا ہوگئے اور اختلاف اتنا بڑھا کہ فتنہ اور شورش کی حد تک پہنچ گیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان جب اہل شام اور اہل عراق کے ساتھ ارمینیہ اور اذربیجان کی فتوحات حاصل کررہے تھے۔ تو امیر المومنین حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے، کیوں کہ انہیں شامیوں اور عراقیوں کی قراءت میں اختلاف نے تڑپا دیا تھا، چناں چہ حضرت حذیفہ نے گزارش کی، اے امیر المومنین! یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب الٰہی میں اختلاف کرنے سے پہلے اس امت کی دستگیری فرمائیے۔ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ بنت عمر (زوجۂ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس پیغام بھیجا کہ قرآن کریم کا جو اصل نسخہ آپ کے پاس محفوظ ہے وہ ہمیں عنایت فرمائیں پھر ہم اسے واپس کردیں گے۔ حضرت حفصہ نے وہ نسخہ حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا کہ اس کے نسخے تیار کریں، انہوں نے اس کی نقلیں کیں۔

---

[۱۵] ابن اثیر ج:۳ ص:۴۷۵، خلفاء راشدین ۴۰۵۔

حضرت عثمان نے آخر الذکر تینوں قریشی حضرات سے فرمایا کہ جب تمہارے اور زید بن ثابت کے درمیان کسی لفظ میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھنا، کیوں کہ قرآن کا نزول انہیں کی زبان میں ہوا ہے، چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا' اصل نسخہ حضرت حفصہ کو واپس کر دیا گیا، پھر نقل شدہ نسخوں سے ایک ایک نسخہ ہر علاقے میں بھیج دیا گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ ان کے خلاف جو کسی کے پاس قرآن کریم کے نام سے لکھا ہوا ہے اسے جلا دیا جائے۔[۱۶]

اس سے سارے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہو گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام کی اس عظیم ترین خدمت نے مسلمانوں کو انتشار سے بچا لیا۔

اخلاق و عادات: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بہت ہی نرم دل، با مروت اور دوسروں کا درد و غم محسوس کرنے والے عالی ظرف انسان تھے، خوف خدا، محبت رسول، شرم و حیا اور طہارت و پاکیزگی آپ کی امتیازی صفت تھی، عہد جاہلیت جو کہ شراب و کباب کا زمانہ تھا اس زمانے میں بھی آپ نے کبھی شراب منہ سے نہیں لگائی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اس درجہ ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے بیعت کی کبھی اسے نجاست کی جگہ پر نہیں لے گئے۔ اور محاصرہ کے زمانے میں بھی قرب رسول یعنی شہر مدینہ نہیں چھوڑا، جب کہ بعض لوگوں نے مدینہ سے چلے جانے کی گزارش بھی کی۔

آپ عرب کے گنے چنے مالداروں میں ایک تھے، بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی، مگر جب اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے تو سادگی اور تواضع اپنی عادت بنالی، غلام اور کنیزوں کی کثرت کے باوجود اپنے کام خود کیا کرتے تھے۔

ایثار و قربانی کے تعلق سے گزر چکا کہ آپ نے جیش عسرہ (جنگ تبوک) کی تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے اور ایک موقع سے بیس ہزار درہم میں بیر رومہ خرید کر اس کا پانی مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ حضرت طلحہ نے ایک مرتبہ ایک بڑی رقم قرض لی، جب واپس کرنے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے۔

امور خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے فرصت کے لمحات کم ملتے اس کے باوجود عبادت و ریاضت میں فرق نہ آیا، ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، دوسرے تیسرے دن عموماً روزہ رکھتے، کبھی مسلسل کئی ماہ تک روزہ رکھتے۔

مصیبت و پریشانی کے سخت ترین ماحول میں صبر و تحمل کی مضبوط چٹان بن جاتے، بدترین دشمنوں کے ساتھ کبھی کبھی انتقامی کارروائی نہیں کی، محاصرہ کے دوران، شہادت کے وقت آپ

---

[۱۶] بخاری، ج:۲، ص:۷۴۶، رضا اکیڈمی، ممبئی

نے ہونے والے مظالم جھیل لیے، مگر اپنی ذات کی حفاظت کے لیے کسی کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی، جب کہ ہزاروں جاں نثار، بلوائیوں کی سرکوبی کے لیے ایک ادنیٰ اشارہ کے منتظر تھے۔

سوالات

(۱) (الف) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کب پیدا ہوئے؟ کنیت اور لقب بتاؤ۔ والدہ اور نانی کا نام بتاؤ۔
(ب) شجرۂ پدری اور شجرۂ مادری بیان کرو۔
(۲) (الف) خاندان عثمان کی امتیازی خصوصیات بیان کرو۔
(ب) قبول اسلام کے تعلق سے ضروری معلومات پیش کرو۔
(۳) (الف) حضرت عثمان غنی کی ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کا حال لکھو۔
(ب) بیر رومہ کی خریداری کیسے عمل میں آئی؟ بیان کرو۔
(۴) (الف) حضرت عثمان غنی نے غزوۂ بدر میں کیوں نہیں شرکت کی؟
(ب) آپ کو ذوالنورین کیوں کہا جاتا ہے؟
(۵) حضرت عثمان غنی کی غزوات میں شرکت کے تعلق سے ایک نوٹ لکھو۔
(۶) (الف) جیش عسرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عثمان غنی کا ایثار بیان کرو۔
(۷) (الف) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کیسے عمل میں آئی؟
(ب) خلافت کے بعد آپ کی بارگاہ میں سب سے پہلا مقدمہ کس نوعیت کا پیش ہوا اور آپ نے کیا اور کب فیصلہ فرمایا؟
(۸) اسکندریہ، اذربیجان اور ارمینیہ کی بغاوتوں پر مختصر روشنی ڈالو۔
(۹) افریقہ کی جغرافیائی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ بتاؤ کہ افریقہ کیسے فتح ہوا؟
(۱۰) (الف) قبرس کیسے فتح ہوا؟ (ب) والی بصرہ ابوموسیٰ اشعری کی معزولی کے اسباب بیان کرو۔
(ج) معزولی کب ہوئی؟ ان کے بعد کون والی بنایا گیا؟
(د) ایران کی بغاوت کیسے فرو ہوئی؟ نیز عہد عثمانی کی کچھ متفرق فتوحات پر مختصراً روشنی ڈالو۔
(۱۱) عہد عثمانی میں داخلی فتنے کب شروع ہوئے اس کے اسباب کیا تھے؟
(۱۲) سبائی فتنہ پر ایک جامع نوٹ لکھو۔
(۱۳) (الف) شہادت عثمان کے اسباب کیا ہیں؟
(ب) شہادت عثمان کی منظر کشی کرو۔ تاریخ شہادت کا بھی ذکر کرو۔
(۱۵) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیویوں اور اولاد کی تفصیل بیان کرو۔
(۱۶) عہد عثمانی کے نمایاں کارنامے بیان کرو۔
(۱۷) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جمع و تدوین قرآن کی ضرورت کیوں پیش آئی، اور اس کے لیے آپ نے کیا انتظام کیا؟
(۱۸) عثمانی اخلاق و عادات پر مختصر روشنی ڈالو۔

خلیفۂ چہارم

حضرت علی مُرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نام، نسب، خاندان: نام علی۔ کنیت ابوالحسن، ابوتراب۔ لقب حیدر، مرتضیٰ۔ والد کا نام ابوطالب، والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ پورا شجرۂ نسب اس طرح ہے:

علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَیٰ بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لُؤی قُرشی ہاشمی۔

والدہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف۔ ہاشم پر جا کر یہ نسب حضرت علی مرتضیٰ کے نسب پدری سے مل جاتا ہے۔ اس طرح آپ نجیب الطرفین ہاشمی ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب ابوطالب کے بھائی تھے اس طور پر حضرت علی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہوئے۔

خاندانی شرافت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعلق عرب کے معزز خاندان قریش کی ایک شاخ بنو ہاشم سے تھا، پورا عرب آپ کی نسبی شرافت کا اعتراف کرتا تھا، خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا انتظام بنو ہاشم کے ذمہ تھا، اس کے لیے پورے عرب میں بنو ہاشم کی مذہبی سرداری تسلیم کی گئی۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ خاندان بلند اور ممتاز تھا۔

حضرت علی کے والد ابوطالب بن عبدالمطلب مکہ کے ذی اثر اور ممتاز سرداروں میں سے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کے زیر سایہ پرورش پائی، اعلان نبوت کے بعد جب پورا عرب رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور دشمن ہوگیا تھا، ان نازک حالات میں ابوطالب نے آپ کا ہر خطرناک موڑ پر ساتھ دیا اور دشمنوں کے شر سے بچانے میں کوشاں رہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے رسول گرامی کی تربیت میں بڑی دلچسپی لی، وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد پر ترجیح دیتی تھیں، حقیقی ماں کی طرح سلوک کرتیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، لیکن ابوطالب (مذہب جمہور کے مطابق) ایمان نہ لائے۔

ولادت اور پرورش: آپ بعثت نبوی سے دس سال پہلے پیدا ہوئے، کچھ دنوں والدین کے زیر سایہ پرورش پائی، بعد میں مستقل طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں آگئے، واقعہ یوں ہے کہ قحط سالی کی وجہ سے قریش

پریشاں حال تھے، ابو طالب بھی بڑھاپے اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے سخت معاشی دشواریوں سے دو چار ہوئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا عباس سے مشورہ کیا کہ اس پریشاں حالی میں ہمیں چچا ابو طالب کا ہاتھ بٹانا چاہیے، چناں چہ حضرت عباس نے جعفر کی کفالت قبول کر لی اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنی آغوش پرورش میں لیا۔ حضرت علی نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو آغوش نبی میں پایا۔[۱۷]

قبول اسلام: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چوں کہ آغوش نبوی میں تربیت پائی تھی، اس لیے شروع ہی سے اسلامی رنگ میں رنگے رہے، چناں چہ ایک روز انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کو عبادت میں مصروف دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ دونوں حضرات یہ کیا کر رہے تھے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا دین ہے اور لات وعزیٰ سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ حضرت علی نے تعجب سے کہا کہ اس سے پہلے میں نے ایسی کوئی بات نہیں سنی، میں اس کا تذکرہ والد گرامی (ابو طالب) سے کرتا ہوں، رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں کچھ تامل ہے تو اپنے طور پر غور وفکر کرلو کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، رسول کریم کی تربیت نے فطرت کو سنوار دیا تھا، ایک رات توقف کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔[۱۸]

جس وقت آپ ایمان لائے آپ کی عمر دس سال یا نو سال یا اس سے کچھ کم تھی آپ نے بچپن میں بھی کبھی بت کی پوجا نہیں کی۔[۱۹]

ہجرت: حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ پہلے مرد ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور اس چیز کی تصدیق کی جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے پاس آئی۔

اسلام کی ترقی دیکھ کر کفار مکہ نے طرح طرح کی بندش لگانی شروع کی، لیکن اسلام ترقی کرتا گیا، آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ محمد عربی ہی کو قتل کر دیا جائے تو راستہ بالکل صاف ہو جائے گا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے منتخب نوجوانوں کی ایک جماعت رات کی تاریکی میں کاشانۂ رسول پر پہنچ گئی، ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حضرت جبرئیل کے ذریعہ یہ خبر دی کہ اے محبوب! آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ اقدس سے نکلے دشمنوں کی طرف ایک مٹھی خاک پھینکی جس کی وجہ سے ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا اور آپ انہیں کے درمیان سے نکلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو

---

[۱۷] الاصابہ، اسد الغابہ، خلفاے راشدین سے ماخوذ۔ [۱۸] اسد الغابہ ۴/۹۲ [۱۹] ابن سعد ج:۳، ص:۱۳۔

ساتھ لیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور میری سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو، تمہیں کفار کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے۔ اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی یہ تمام امانتیں ان کے سپرد کر کے مدینہ چلے آنا۔

صبح ہوئی تو دیکھا کہ بستر رسول پر حضرت علی آرام فرما رہے ہیں، کفار نے انہیں پکڑ لیا اور خانہ کعبہ لائے، پھر چھوڑ دیا اور انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، حضرت علی تین دن مکہ میں رہے، قریش کی امانتیں ان کے حوالے کر کے مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر ان کے مہمان ہوئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے موجود تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات (بھائی چارہ کا رشتہ) قائم کیا تو انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔

عقد مسنون : ۲ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آغوش رحمت کے پروردہ حضرت علی کا نکاح اپنی سب سے چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے ساتھ کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ چوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہتے تھے، اس لیے شادی کے بعد ایک الگ گھر کی ضرورت پڑی تو حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک مکان ان کو دے دیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس نئے گھر میں گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی پھر اندر گئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا دونوں ہاتھ ان میں ڈالے اور وہ پانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازو پر چھڑکا، پھر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو بلا کر ان کے اوپر بھی چھڑکا اور فرمایا: میرے خاندان میں جو شخص سب سے بہتر ہے میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے۔

غزوات میں شرکت : مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے اس کے باوجود کفار کی شرارتوں میں کمی نہ آئی، جس کے نتیجے میں بہت سی جنگیں وجود میں آئیں، بدر سے لے کر حنین تک ہر اہم غزوہ میں حضرت علی شیر خدا شریک رہے، جرأت و جاں بازی کے جوہر دکھائے اور دشمنوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا۔

❀ ۲ھ معرکہ بدر میں جب کفار مکہ مسلمانوں کو روئے زمین سے نیست و نابود کر دینا

چاہتے تھے، دشمنوں کی طرف سے مشہور شمشیر زن عتبہ، شیبہ اور ولید مقابلے کے لیے میدان میں آئے، مسلمانوں کی جانب سے انصار نکلے مگر ان لوگوں نے کہا کہ تم جاؤ، ہمارے بھائیوں کو ہمارے مقابلہ کے لیے بھیجو، سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ کو مقابلہ کے لیے بھیجا حضرت حمزہ نے شیبہ کو، حضرت علی نے ولید کو ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا، عتبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا تھا مگر حضرت حمزہ اور علی نے عتبہ کا بھی کام تمام کر دیا۔

بدر کے میدان میں یہ پہلی فتح تھی جو حضرت حمزہ اور علی کی داد شجاعت سے مسلمانوں کو نصیب ہوئی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معرکہ میں اسلامی علم حضرت علی کو عطا فرمایا اور اپنی تلوار ذوالفقار ہمیشہ کے لیے آپ کو عطا کر دی۔

❁ ۰۳ھ میں جب احد کا معرکہ پیش آیا تو لشکر اسلام کے مَیمَنہ کی سربراہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی، موسیٰ بن عمیر کی شہادت کے بعد پرچم اسلام آپ نے سنبھالا۔

جب کفار کا شکست خوردہ لشکر جبل احد کا چکر کاٹ کر غافل اور منتشر مسلمانوں کی پشت پر اچانک حملہ آور ہوا بدحواسی اور خوف و ہراس کے عالم میں اکثر مسلمانوں نے میدان چھوڑ دیا، ایسے نازک اور خطرناک لمحات میں حضرت علی دیگر جاں نثاروں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ہالۂ فانوس بن کر جم گئے اور دشمنوں کے شدید حملوں کا جواب دیتے رہے۔

❁ ۰۵ھ میں احزاب کا تاریخی معرکہ پیش آیا، جس میں دس ہزار کا زرہ پوش لشکرِ کفار اسلام کا خاتمہ کرنے کے لیے آندھی طوفان کی طرح بڑھا، اتنے بڑے لشکر کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مسلمانوں کے لیے آسان نہ تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کے اردگرد خندق کھودی گئی، اس مدافعانہ جنگ میں حضرت علی کی جنگی صلاحیت اور بے مثال شجاعت کے جوہر نمایاں ہوئے۔ اس غزوہ میں حضرت علی ایک دستہ کے کمانڈر تھے، کسی دن دشمنوں کا ایک دستہ جوش جنگ میں خندق پار کر کے حضرت علی کے دستہ کے قریب جا پہنچا، عرب کا نامی شہسوار عمرو بن عَبدِ وُد جو ایک ہزار سواروں کے لیے تنہا کافی تھا، صف سے باہر آیا اور کہا: کون ہے جو مجھ سے مقابلہ کرے گا، حضرت علی مقابلہ کے لیے باہر آئے۔ عمرو بن عبدود نے کہا اے بھتیجے میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا، حضرت علی نے کہا خدا کی قسم میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ شیر خدا کے اس جواب سے تلملا اٹھا، غضبناک ہو کر حضرت علی پر وار کیا، حضرت علی نے بھی جوابی وار کیا، دونوں ایک دوسرے پر حملہ کرتے رہے، چند ہی لمحوں میں شیر خدا کی تلوار نے

عَمْرِو بنِ عَبْدِوُدُ کا کام تمام کردیا، لاش خاک وخون میں تڑپنے لگی، شیر خدا نے دوسرے کافروں کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کردیا، پھر لشکر کفار کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوسکی۔[۲۰]

❁ ۶ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے قصد سے چودہ سو جاں نثاروں کے ساتھ جب مکہ کا رخ کیا اور کفار نے حدیبیہ سے آگے نہ بڑھنے دیا، وہ کسی قیمت پر مکہ میں داخلہ پر راضی نہ ہوئے تو کفار کے نمائندہ سہیل بن عمرو اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک تاریخی معاہدہ کے شرائط طے پائے، عہد نامہ تحریر کرنے کے لیے حضرت علی کو بلایا گیا، سرکار نے فرمایا۔"بسم الله الرحمٰن الرحیم" لکھو۔ سہیل نے کہا رحمٰن کیا ہے میں نہیں جانتا، عرب کے قدیم دستور کے مطابق"باسمک اللھم" لکھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا یہی لکھو، چناں چہ حضرت علی نے لکھا، پھر سرکار نے فرمایا: لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول الله اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے ہوا، سہیل نے کہا: اگر ہم آپ کو رسول مان لیتے تو آپ کو بیت اللہ کے طواف سے نہ روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ تم جھٹلا رہے ہو لیکن میں اللہ کا رسول ہوں، سہیل نے کہا: "محمد بن عبداللہ" لکھا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو، یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان قرار پایا اور حضرت علی سے کہا کہ پہلا نوشتہ (محمد رسول الله) مٹادیں لیکن حضرت علی کی غیرت ایمانی نے مٹانا گوارا نہ کیا۔ انہوں نے کہا بہ خدا میں قطعاً نہیں مٹا سکتا، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مٹادیا۔[۲۱]

❁ محرم ۷ھ میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا رخ کیا، جہاں یہودیوں کی تقریباً تمام آبادیاں جزیرہ نماے عرب سے سمٹ کر اکٹھا ہوگئی تھیں، اور ان کی اجتماعی قوت اسلام کے لیے زبردست خطرہ بن چکی تھی، اسلامی لشکر نے حدود خیبر میں داخل ہوتے ہی یکے بعد دیگرے قلعوں اور اہم مقامات کو تسخیر کرلیا، آخر میں قموص کا قلعہ رہ گیا جہاں یہودیوں کی فوجی قوت یکجا تھی، اسی قلعہ میں مشہور یہودی جنگ جو مَرُحَب رہتا تھا۔ بارہ تیرہ روز تک محاصرہ قائم رہا لڑائی ہوتی رہی مگر فتح حاصل نہ ہوسکی۔ آخر میں سرکار نے فتح کی بشارت اس طرح سنائی۔

میں کل پرچم اسلام ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ و رسول اسے محبوب رکھتے ہیں۔

لوگ اس شرف کے لیے خواہش کرتے رہے، سرکار نے ارشاد فرمایا علی کو بلاؤ، علی

---

[۲۰]: سیرت ابن ہشام ج:۲،ص:۳۳۷ و خلفاے راشدین۔ [۲۱]: مسلم کتاب الجہاد باب صلح حدیبیہ ص:۱۰۴،۱۰۵۔

بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے وہ آشوب چشم کی وجہ سے اب تک خیبر کے معرکوں میں شریک نہ ہو سکے تھے، سرکار نے علی کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا، آشوب چشم جاتا رہا پھر علی کو پرچم اسلام عطا کر دیا گیا، ہاشمی دلاور اسلامی لشکر لے کر میدانِ جنگ میں آیا قلعہ کا رئیس مرحب فخریہ الفاظ کہتے ہوئے باہر آیا۔

تمام خیبر اس حقیقت سے آشنا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ مسلح، دلاور اور جنگ آزمودہ جوان ہوں کبھی نیزہ چلاتا ہوں۔ کبھی تلوار، جب کہ آزمودہ کار دلاور، جنگ کے لیے میرے سامنے آتے ہیں، میری چراگاہ سے متصل کسی اور کی چراگاہ نہیں ہے۔

جواب میں حضرت علی نے کہا:

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں تلوار سے اس طرح قطع و برید کرتا ہوں جس طرح آگ کا درخت کاٹا جاتا ہے، میں نہایت تند خو بہادر اور پھاڑ کھانے والا شیر ہوں۔

حضرت علی مقابلہ کے لیے آگے بڑھے دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے، مگر حضرت علی کے وار نے مرحب کی خود اور سر کو کاٹ کر اسے زمین پر ڈھیر کر دیا، جنگ کی آگ تیز ہوئی تو شیرِ خدا کی ڈھال گر گئی، انہوں نے بڑھ کر قلعہ کا دروازہ اکھاڑ لیا اور اس سے ڈھال کا کام لینے لگے اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھاتے رہے یہاں تک کہ آپ نے قلعہ کو فتح کر لیا اس کے بعد آپ نے پھاٹک کو پھینک دیا، پھاٹک اتنا وزنی تھا کہ اسے کم و بیش چالیس آدمیوں نے پلٹنا چاہا مگر نہ پلٹ سکے۔

❁ رمضان ۸ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں ابھی اسلامی لشکر روانہ نہ ہوا تھا کہ معلوم ہوا کہ ایک عورت یہاں کے حالات سے مطلع کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہو چکی ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا جلدی مکہ کی طرف جاؤ، روضۂ خاخ میں ایک عورت ملے گی، اس کے پاس خط ہے اسے پکڑ کر لاؤ، تینوں حضرات گھوڑا دوڑاتے ہوئے روضۂ خاخ پہنچے وہاں ایک عورت ملی، اس کی تلاشی لی گئی اس کے پاس کوئی خط نہ ملا، حضرت علی نے تلوار نکال کر اس عورت کو دھمکایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غلط نہیں کہا ہے، تیرے پاس خط ہے، اگر تو نہیں نکالتی ہے تو میں تجھے ننگا کر کے تلاشی لوں گا، تب اس نے سر کے جوڑے سے خط نکال کر دیا، خط بارگاہ رسول میں پیش کیا گیا، تو پتا چلا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کا ہے۔ انہوں نے عذر خواہی کی ان کا عذر قبول کر کے انہیں معاف کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے دن علی مرتضیٰ کو ایک اعزاز یہ حاصل ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ پرچم اسلام لے کر مکہ کی طرف بڑھ رہے تھے اور جوش میں یہ پڑھتے جاتے تھے، آج کا دن شدید جنگ کا دن ہے آج کعبہ میں خوں ریزی حلال سمجھی جائے گی۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے، اور حضرت علی کو حکم دیا کہ سعد بن عبادہ سے پرچم اسلام لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں۔

فتح مکہ کی بعد شوال ۸ھ میں غزوہ حنین کا معرکہ پیش آیا، اس میں پہلے مسلمان غالب ہوئے اور مال غنیمت لوٹنے لگے، تو شکست خوردہ دشمنوں نے غافل پا کر اچانک حملہ کر دیا، مجاہدین اس ناگہانی آفت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار مجاہدین میں سے صرف چند ثابت قدم رہ گئے، ان میں ایک حضرت علی بھی تھے، آپ نے بڑی پامردی اور استقلال کا ثبوت دیا، بلکہ اپنی جنگی صلاحیتوں اور بے مثال بہادری سے لڑائی سنبھال لی اور دشمن کے امیر لشکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے غلبہ حاصل کر لیا۔

۞ ۰۹ھ میں تبوک کا معرکہ پیش آیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مَسلَمہ انصاری کو مدینہ کا محافظ بنایا اور اہل بیت کی خبر گیری کے لیے حضرت علی کو مقرر کیا، حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں آپ نے فرمایا: علی! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون۔ مگر میرے بعد نبوت نہیں۔ یعنی جس طرح کوہ طور پر جاتے وقت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا نائب بنایا تھا، ایسے ہی اس سفر میں میں تمھیں اپنا نائب بنا رہا ہوں۔

۞ ۱۰ھ میں تبلیغ دین کی لیے عرب کے مختلف خطوں میں جب وفود بھیجے گئے تو حضرت خالد بن ولید کو یمن بھیجا گیا چھ ماہ کی کوشش کے باوجود انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا، آپ کے یمن پہنچتے ہی وہاں کے ماحول میں خوش گوار تبدیلی ظاہر ہوئی اور چند روزہ تعلیم و تلقین سے لوگ اسلام کے شیدائی ہو گئے اور یہاں کا ممتاز قبیلہ ہمدان مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو حضرت علی یمن سے آکر شریک ہوئے اور سرکار کے ساتھ مناسک حج ادا کیے۔

رحلت رسول : حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ماہ صفر کے آخری عشرہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوئی ، یہ دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا ، جب بیماری شدید ہوگئی تو آپ کی خواہش پر تمام ازواج مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام فرمائیں۔ چناں چہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے سہارا دے کر آپ کو حجرۂ عائشہ میں پہنچایا ، حضرت علی نہایت دل جمعی اور محبت کے ساتھ تیمار داری اور خدمت گزاری کے فرائض انجام دیتے۔

چند دنوں کی مختصر علالت کے بعد ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ میں دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ چوں کہ خاندان رسول کے ایک فرد تھے ، آپ کی آغوش رحمت کے پروردہ تھے اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین میں آپ دوسرے افراد کے ساتھ شریک تھے ، جسد اطہر کو قبر انور میں اتارنے کی سعادت بھی آپ کو حاصل ہوئی۔

ناف مبارک اور پلکوں پر جو پانی کے قطرات اور تری جمع تھی ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جوش محبت اور فرط عقیدت میں اس کو زبان سے چاٹ کر پی لیا۔

خلفائے ثلاثہ کے عہد میں : رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت کی باگ ڈور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تمام صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ، کچھ توقف کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کرلی ، بیعت عام کے بعد حضرت ابوسفیان ، حضرت علی اور حضرت عباس کے پاس آئے اور کہا ، اے علی اور اے عباس! کیا بات ہے کہ خلافت قریش کے اس قبیلہ میں گئی جو مرتبہ کے لحاظ سے پست اور تعداد کے لحاظ سے بہت قلیل ہے ، خدا کی قسم اگر تم دونوں آمادہ ہو جاؤ تو ہم مدینہ کو اپنے حامیوں اور معاونین کے لشکر سے بھر دیں ، حضرت علی نے جواب دیا ، بخدا میں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا ، اگر ہم نے ابوبکر کو اس خلافت کا اہل نہ سمجھا ہوتا تو اتنی آسانی سے منصب خلافت ان کے حوالے نہ کرتے۔

بیعت کے بعد عہد صدیقی میں حضرت علی نے پوری دل چسپی اور خلوص کے ساتھ ملت کے مسائل اور خلافت کے کام میں اپنی فکر و عمل سے خلیفۂ اول کی رفاقت کا حق ادا کیا۔

حضرت صدیق اکبر کے بعد جب حضرت عمر فاروق سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت علی نے اسی خلوص اور عالی ظرفی کے ساتھ ان کا ساتھ دیا اور حضرت عمر کی مجلس شوریٰ کے اہم

رکن کی طرح اہم معاملات میں راے دہی کے لیے شرکت فرماتے رہے۔ حضرت عمر آپ کی راے کا بڑا اعتبار کرتے اور آپ کی ذات پر کامل اعتماد رکھتے۔ جب آپ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو حضرت علی کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کیا، واپسی تک آپ تمام امور خلافت انجام دیتے رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو عام مسلمانوں کے ساتھ آپ نے بھی ان کی بیعت کی اور پورے دور عثمانی میں اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے، فتنہ وشورش کے ایام میں جب مصریوں کا ایک وفد آپ سے ملا اور اس نے کہا:

ہم عثمان کی خلافت سے بیزار ہیں آپ ہم سے بیعت لے لیجیے، ابھی ہم واپس چلے جاتے ہیں، حضرت علی غصہ سے کانپ اٹھے اور فرمایا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک لشکر ذومروہ، لشکر ذوخشب، اور لشکر اعوص ملعون ہیں۔ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ، آئندہ اس قسم کی گفتگو نہ کرنا۔

(ذومروہ، ذوخشب اور اعوص یہ تینوں تین جگہوں کے نام ہیں دشمنان عثمان کے تین لشکر انہیں تینوں جگہوں پر آکر قیام پذیر ہوئے تھے اس لیے ان لشکروں کو ان جگہوں کے ساتھ منسوب کیا گیا۔)

ان نازک حالات میں آپ حضرت عثمان کی حمایت کرتے رہے اور پر خلوص مشورے دیتے رہے، جب بلوائیوں کی شدت بڑھ گئی اور حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ کرلیا گیا تو حضرت علی نے اپنے لخت جگر حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان کی حفاظت کے لیے ان کے دروازے پر تعینات کردیا اور جب آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت عثمان شہید کردیے گئے تو آپ سخت ناراض ہوئے، حسن وحسین کو مارا اور محمد بن طلحہ وعبداللہ بن زبیر کو سخت وسست کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کیوں کر پیش آیا۔ (محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر بھی حفاظت کے لیے دروازے پر مامور تھے)

خلافت : حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد پانچ دن تک مسند خلافت خالی رہی، چناں چہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور مہاجرین وانصار کی ایک جماعت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت خلافت کے لیے حاضر ہوئی، حضرت علی نے اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کردیا، لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم اس منصب کے لیے کسی کو آپ سے زیادہ مستحق نہیں سمجھتے اور نہ آپ کے علاوہ کسی کا انتخاب کرسکتے ہیں۔ مسلمانوں کے جذبات کا

احترام کرتے ہوئے آخر آپ عہدۂ خلافت قبول کرنے کے لیے راضی ہو گئے۔ ۲۴؍ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ، مسجد نبوی میں عام لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، اس بیعت میں مدینہ کے معزز صحابہ موجود تھے۔[۲۲]

راہ کی مشکلات: حضرت علی رضی اللہ عنہ تاریخ کے انتہائی نازک دور میں خلیفہ بنائے گئے حالات کی پیچیدگیوں نے خلیفہ کو زبردست آزمائش میں ڈال دیا تھا،

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ ابھی بگڑے ہوئے ماحول پر قابو بھی نہ پا سکے تھے کہ لوگوں کی جانب سے طرح طرح کے مطالبات شروع ہو گئے، سب سے پہلے حضرت عثمان غنی کے خونِ ناحق کے قصاص کا مطالبہ پیش کیا گیا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر صحابہ حضرت علی مرتضیٰ کے پاس آئے اور کہا: اے علی ہم نے آپ کی بیعت کے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ آپ حدود اللہ کو قائم فرمائیں گے اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ باغیوں کی یہ تمام جماعت قتل عثمان میں شریک ہے، اس لیے آپ پر ان سے قصاص لینا فرض ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

> میرے بھائیو! میں تمہاری طرح ان امور سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن ہم اس قوم کا کیا کر سکتے ہیں جو ہماری مالک بنی ہوئی ہے اور ہم ان کے مالک نہیں اور پھر اس قتل میں تم لوگوں کے غلام بھی شامل ہیں اور ان کے ساتھ کچھ دیہاتی بھی شریک ہو گئے ہیں اور وہ تمہارے دوست ہیں جس بات پر چاہتے ہیں تمہیں مجبور کرتے ہیں تو کیا ان حالات میں تم قصاص لینے پر قدرت رکھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ حضرت علی نے کہا یہ حالات بعینہٖ زمانۂ جاہلیت کے حالات ہیں۔

قصاص کے سلسلے میں شرعی دشواری یہ تھی کہ حضرت عثمان پر چند اشخاص نے یک بارگی حملہ کیا تھا اس لیے اصل قاتل کی تعیین نہ کی جا سکی، چناں چہ حضرت نائلہ (زوجۂ عثمان غنی) سے قاتل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں کئی آدمی گھر کے اندر آئے تھے جن کو میں نہیں جانتی، البتہ ان کے ساتھ محمد بن ابی بکر تھا۔ جب محمد بن ابی بکر کو پکڑا گیا تو انھوں نے حضرت عثمان کے پاس جانے کا اقرار کیا، لیکن قتل سے انکار کیا، حضرت نائلہ نے بھی اس کی تصدیق کی، اس لیے وہ قتل کے الزام سے بری قرار دیے گئے اور کسی دوسرے قاتل کی تعیین نہ ہو سکی۔

قصاص کا مطالبہ کرنے والے بڑی سختی سے اپنے مطالبے پر قائم رہے، لیکن ان کی حالت

۲۲: تاریخ ابن اثیر ج:۲ ص:۵۵۴، ۵۵۷۔

یہ تھی کہ وہ خلیفہ کی اطاعت و نصرت سے بہت دور تھے، حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ پہلے قصاص چاہنے والے امیر کی اطاعت کریں، اس کے بعد خون عثمان کا وارث اپنا دعویٰ پیش کرے، اس وقت شریعت مطہرہ کے مطابق حکم کا نفاذ کیا جائے گا، مخالف جماعت یہ کہتی تھی کہ پہلے قاتلوں کا پتا لگایا جائے اور انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے، لیکن حضرت علی کے نزدیک یہ جائز نہیں تھا کہ دعویٰ کے بغیر قصاص کا حکم جاری کیا جائے۔[۲۳]

امیر معاویہ کی معزولی: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے دشوار کن مرحلہ یہ تھا کہ انھوں نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی عہد عثمانی کے بڑے بڑے عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے حکام کا تقرر کیا، بعض دور اندیش اور تجربہ کار صحابہ نے مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں عجلت سے کام نہ لیں معزولی کے احکام بیعت لینے کے بعد صادر کریں، لیکن حضرت علی نے ان نیک مشوروں پر کوئی توجہ نہ دی، اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام صوبائی مرکزوں میں شورش پیدا ہوگئی تاہم بگڑے ہوئے حالات پر قابو پالیا گیا، لیکن شام کا مسئلہ بڑی خطرناک صورت اختیار کر گیا، وہاں کے حاکم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کی بیعت کرنے اور معزولی کا حکم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عثمان کا انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مدینہ سے حضرت عثمان کا خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر شام کے صدر مقام دمشق کی جامع مسجد میں منبر پر آویزاں کر دیا اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے، لوگ آتے اور اس منظر کو دیکھ کر رو پڑتے، اس طرح حضرت امیر معاویہ نے ایک بہت بڑی جماعت تیار کر لی۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی اس تیاری کی خبر ہوئی تو آپ نے فوراً لشکر جمع کیا اور شام پر حملہ کے لیے روانہ ہو گئے، مگر اسی دوران یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیادت میں ایک فوج مکہ سے بصرہ کی طرف کوچ کر رہی ہے، چناں چہ حضرت علی شام کا ارادہ ترک کر کے اپنی فوج کو لے کر بصرہ کی طرف چل پڑے۔

جنگ جمل: محاصرہ کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے لیے مکہ مکرمہ چلی گئیں ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ باغی عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے جب وہ حج سے واپس مدینہ آرہی تھیں تو انہوں نے مقام سَرِف میں عبداللہ بن ابی سلمہ لیثی کی زبانی شہادت عثمان کی خبر سنی اور یہ بھی سنا کہ حضرت علی کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا ہے۔ اس خبر سے

[۲۳]: الاصابہ ج:۲، ص:۵۰۸۔

آپ کو بڑا قلق ہوا، آپ نے فرمایا کہ باغیوں کو ان کے کیے کی سزا ضرور ملنی چاہیے، اور وہیں سے مکہ واپس چلی گئیں، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی مکہ آ گئے حالات سے مزید آگاہی ہوئی، آپ لوگوں نے بتایا کہ علی قصاص عثمان کے سلسلہ میں لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں۔ چناں چہ بات یہاں تک پہنچی کہ بصرہ چل کر خلیفۂ مقتول کے قصاص کا مطالبہ کیا جائے، غرض صفر ۳۶ھ میں حضرت عائشہ مکہ سے بصرہ روانہ ہوگئیں، آپ کے ساتھ تین ہزار کا لشکر تھا۔ جب بصرہ کے قریب پہنچیں تو عثمان بن حنیف نے جو حضرت علی کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا انہیں زبردستی روکنے کی کوشش کی، مگر شکست کھائی اور گرفتار ہوا، پھر حضرت عائشہ کے حکم سے رہا کر دیا گیا، عثمان بن حنیف کی شکست کے بعد اس کی جماعت کے بہت سے سبائی اور وہ لوگ جو حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھے پکڑ کر لائے گئے ان میں جو مجرم ثابت ہوئے انہیں قتل کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ربیع الآخر ۳۶ھ میں مدینہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، حضرت علی کے ساتھ سات سو آدمی تھے جن میں زیادہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ کی تعداد تھی، لیکن راستے میں لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

حضرت علی نے ایک قاصد حضرت ام المومنین کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کیا کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: صرف خلیفۂ مقتول کا قصاص چاہتی ہوں۔ قاصد نے کہا کہ قصاص کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ مصلحت اور بہتری اس میں ہے کہ پہلے پورے ملک میں امن وسکون کا ماحول پیدا کیا جائے، پھر یہ کام کیا جائے، ورنہ امت مسلمہ میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، قاصد کی یہ تجویز سب نے تسلیم کی۔ حضرت علی نے جب یہ خبر سنی تو بہت خوش ہوئے دونوں طرف کے قاصدوں کی آمد ورفت شروع ہوگئی، صلح کی شرطیں طے ہوگئیں، صبح صلح کا عام اعلان ہونے والا تھا، ابھی صبح نمودار بھی نہ ہوئی تھی کہ دونوں طرف کے شرپسندوں نے یہ سوچ کر اچانک فتنہ کی آگ بھڑکا دی کہ اگر صلح ہوگئی تو پھر ہماری خیر نہیں اور ایک دوسرے کے لشکر پر حملہ کر دیا، لوگ گھبرا گئے صبح ہوتے ہی ہنگامۂ قیامت برپا ہوگیا، دونوں فریق ایک دوسرے سے بدظن ہوگئے، بدحواسی کے عالم میں جنگ شروع ہوگئی، یہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا معرکہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں اپنے بھائیوں ہی کے لیے بے نیام ہوئیں، بڑی خوں ریز جنگ ہوئی، دونوں طرف کے جوان پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے، حضرت عائشہ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور جنگ کا سارا منظر دیکھ رہی تھیں، جاں نثار، جاں نثاری کا ثبوت پیش

کرتے، حضرت علی نے جب یہ منظر دیکھا کہ جب تک یہ اونٹ اپنی جگہ قائم رہے گا اس وقت تک بصری فوج کو پسپا نہیں کیا جا سکتا، اس لیے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں کاٹ دیے جائیں، ایک بہادر نے بڑھ کر حکم کی تعمیل کی اور اونٹ بلبلا کر زمین پر گر گیا، بصریوں نے جب یہ حالت دیکھی تو ان کے حوصلے پست پڑ گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ چلے۔ اس جنگ میں دونوں طرف کے تقریباً دس ہزار آدمی کام آئے۔ جنگ ختم ہوتے ہی حضرت علی نے حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھیجا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ ام المومنین کو زخم تو نہیں پہنچا، اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے اور پوچھا! مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا اچھی ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا خدا ہم دونوں کو معاف کرے۔ اس کے جواب میں حضرت عائشہ نے بھی یہی کہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رجب ۳۶ھ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو روسائے بصرہ کی چالیس عورتوں اور محمد بن ابی بکر کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ بصرہ سے روانہ کیا اور خود رخصت کرنے چند میل آئے ام المومنین پہلے مکہ گئیں اس کے بعد مدینہ تشریف لائیں اور پوری عمر اس اجتہادی چوک پر نادم رہیں۔

اس جنگ کے بعد حضرت علی نے مدینہ منورہ کے بجائے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مدینہ سیاسی انقلابات سے محفوظ رہے اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اہل کوفہ حضرت علی کے حامی اور جاں نثار تھے، ان کی مدد سے اٹھنے والے فتنوں کا دفاع آسان تھا۔[1]

جنگ صفین: جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر امیر معاویہ کی طرف متوجہ ہوئے، ان سے بیعت لینے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی، نتیجہ یہ سامنے آیا کہ حضرت علی اسی ہزار کا لشکر جرار لے کر روانہ ہوئے اور حضرت امیر معاویہ ساٹھ ہزار کا شامی لشکر لے کر مقابلہ کے لیے نکلے، دریائے فرات کے ساحل پر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوئیں۔

دونوں فوجوں میں امت مسلمہ کے خیر خواہ اور دور اندیش صحابہ موجود تھے ان کی بھرپور کوشش تھی کہ جنگ نہ ہو، تین ماہ تک جنگ رکی رہی، دونوں طرف سے مصالحت کی کوششیں جاری تھیں، لیکن صلح کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی، حضرت امیر معاویہ کا اعتراض تھا کہ حضرت علی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں باغیوں کی مدد کی تھی، اور اب انہیں پناہ دے رکھی ہے اور حضرت علی کہتے تھے کہ شہادت عثمان میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے بلکہ میں نے ہر ممکن انہیں بچانے کی کوشش کی۔

امیر معاویہ کا یہ مطالبہ تھا کہ قاتلوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے تو وہ خلافت تسلیم

---

[1] ماخوذ از خلفائے راشدین ص ۴۵۲ تا ۴۶۰۔

کرلیں گے، لیکن یہ معاملہ بڑا پیچیدہ تھا۔ ابومسلم خولانی جب یہ مطالبہ لے کر حضرت علی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرے لگا رہے ہیں اور بلند آواز سے پکار رہے ہیں کہ ہم سب عثمان کے قاتل ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا: دیکھ لو حضرت عثمان کے قاتلوں پر میرا کیا اختیار ہے، چناں چہ مصالحت کی ساری کوششیں بے کار ہوئیں اور جنگ چھڑ گئی۔

جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ شروع میں صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوجیں آتیں اور کشت و خون کے بعد خیموں میں چلی جاتیں، یہاں تک کہ رجب کا مہینہ آگیا اس مہینے کی عظمت کا احترام کرتے ہوئے لڑائی روک دی گئی، اس درمیان صلح کی پھر کوشش کی گئی، لیکن ناکامی ہاتھ آئی، غرض رجب سے اخیر محرم ۳۷ھ تک دونوں طرف سکوت طاری رہا، کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہ آیا، آغاز صفر سے از سر نو جنگ شروع ہوئی اور ایسی خوں ریز جنگ ہوئی کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوگئے، بتایا جاتا ہے کہ اس جنگ میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی موت کے گھاٹ اتر گئے، اب جنگ اس موڑ پر پہنچ چکی تھی کہ شامی (حامیان معاویہ) مغلوب اور عراقی (حامیان علی) غالب نظر آنے لگے، امیر معاویہ کو یہ صورت دیکھ کر تشویش لاحق ہوئی اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جنگ روکنے کی یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ حامیان معاویہ قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے آگے بڑھے اور بلند آواز سے کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کتاب فیصل ہے آؤ دونوں مل کر اس کے فیصلے کو تسلیم کرلیں۔ حامیان علی نے جب یہ صورت حال دیکھی تو جنگ سے ہاتھ روک لیا، حضرت علی نے کہا نوجوانو! جنگ سے ہاتھ نہ روکو یہ محض چال ہے، مگر وہ نہ مانے اور کہا اے امیر المومنین! اگر آپ نے قرآن کو فیصل نہیں مانا تو ہم آپ سے بھی جنگ کریں گے۔ مجبوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لڑائی بند کرنی پڑی۔

دونوں طرف سے دو نمائندوں کا انتخاب ہوا کہ وہ ثالث بن کر قرآن کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ کریں حضرت امیر معاویہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص ثالث بن کر آئے اور حضرت علی کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف ابوموسیٰ اشعری کا انتخاب ہوا، جب کہ حضرت علی، عبداللہ بن عباس یا اشتر نخعی کی ثالثی کے حق میں تھے۔ لیکن ان کی تجویز نہ مانی گئی اور ابوموسیٰ اشعری کو ثالث مقرر کردیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی ثالث کے حق میں نہیں تھے، اپنے حامیوں کے اصرار پر انہیں ایسا کرنے پر مجبور ہونا پڑا، لیکن تعجب کی بات یہ ہوئی کہ انہیں میں سے ایک جماعت حضرت علی کی سخت مخالف ہوگئی، اس جماعت کا یہ کہنا تھا کہ خلافت جیسے اہم مسئلہ میں قرآن کے بجائے

انسانوں کو ہم ثالث نہیں تسلیم کرتے ، ان کا نعرہ تھا ''لا الحکم الا اللہ'' یعنی ہم خدا کے علاوہ کسی کا فیصلہ نہیں تسلیم کریں گے ، چناں چہ وہ حضرت علی کی فوج سے الگ ہو گئے ، ان کی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی ، وہ شَبَث بن ربعی تیمی کی سرکردگی میں مقام حرورا میں جا کر خیمہ زن ہو گئے ، یہ جماعت خارجی کے نام سے جانی جاتی ہے۔

دونوں طرف کے ثالثوں کے درمیان بڑے ہی غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کو از سر نو خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے ، کیوں کہ آپس کے اختلاف اور باہمی خانہ جنگی سے بچنے کی یہی بہتر صورت ہو سکتی ہے۔

فیصلہ سنانے کے لیے دونوں طرف کے ثالث چار چار سو افراد کے ساتھ دومۃ الجندل کی جامع مسجد میں پہنچے چونکہ یہ بڑا اہم مسئلہ تھا اس لیے غیر جانب دار حضرات نے بھی اس فیصلے کو سننے کے لیے دور دراز سے سفر کیا ، جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن عاص سے کہا کہ جس فیصلہ پر اتفاق ہوا ہے آپ اس کا اعلان کریں ، انہوں نے کہا کہ آپ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں مجھ سے بلند ہیں آپ کے ہوتے ہوئے میں پہل کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں ، حضرت ابو موسیٰ اشعری بڑے سادہ لوح اور نیک طبیعت آدمی تھے ان کی باتوں میں آ گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا:

ہم نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کیا اور از سر نو مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔

اس کے بعد عمرو بن عاص کھڑے ہوئے انہوں نے کہا:

آپ نے ابو موسیٰ کا فیصلہ سن لیا انھوں نے علی کو معزول کر دیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں ، لیکن معاویہ کو ان کے منصب پر قائم رکھتا ہوں کیوں کہ وہ عثمان کے جانشین بننے کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس پر ابو موسیٰ اشعری ششدر رہ گئے اور چلا کر کہا کہ یہ غداری ہے ، بے ایمانی ہے ، اس واقعہ سے ابو موسیٰ اشعری بہت شرمندہ ہوئے اور مکہ کی راہ لی۔

اس فیصلے پر امیر معاویہ کے حامیوں نے ان سے بیعت لینی شروع کر دی ، مگر حضرت علی کے حامیوں نے اس غیر منصفانہ فیصلہ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے ، حضرت علی کو خلیفۂ برحق مانا اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں ، اس سے پہلے کہ حضرت علی ، حضرت معاویہ کے مقابلہ کے لیے

نکلتے، خارجیوں نے سر ابھارنا شروع کر دیا اور حضرت علی کے خلاف مقام نہروان میں ایک جمعیت اکٹھا کرلی، اس لیے انھوں نے اپنے لشکر کا رخ ان کی طرف موڑ دیا، دونوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی، علوی فوج نے خارجیوں کے چھکے چھڑا دیے اور ان کی طاقت ختم کر دی، اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فتح ضرور ہوئی لیکن اس کے نتائج ان کے حق میں بہتر ثابت نہ ہوئے، کیوں کہ اس جنگ میں علوی فوج کے حوصلے پست پڑ گئے اور جب شام کی طرف بڑھنے کی باری آئی تو لشکریوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ خارجیوں کی جنگ میں ہماری تلواریں کند ہوگئی ہیں، نیزے ٹوٹ گئے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ جنگ کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دی جائے تاکہ ہم اپنے اسلحے درست کرلیں اور تازہ دم ہو کر شامیوں کا مقابلہ کریں، اس عذر پر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے اور حضرت علی کے ساتھ صرف ایک ہزار آدمی رہ گئے، یہ حالت دیکھ کر حضرت علی بھی کوفہ لوٹ آئے۔

اس کے بعد حضرت علی نے شامیوں پر فوج کشی کی لاکھ کوشش کی، لیکن لوگ تیار نہ ہوئے، کسی نے بیماری کا عذر کیا، بعض نے مخالفت کی، کچھ لوگ راضی ہوئے۔ حضرت علی لوگوں کو جنگ کے لیے ابھارتے رہے، لیکن اب کوفیوں کا جوش ٹھنڈا ہو چکا تھا، وہ حمایت علی میں جان کی بازی لگانے سے جی چرانے لگے تھے، حضرت علی نے اپنے بہی خواہوں کا یہ حال دیکھا تو ایک بلیغ خطبہ دیا، لیکن اس خطبے کا بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا، آخر مجبور ہو کر حضرت علی نے اہل شام سے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔[۲۴]

امیر معاویہ اور مصر: یہ گزر چکا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عثمانی عاملوں کو معزول کر کے نئے حاکموں کا تقرر کیا تھا، آپ نے ۳۶ھ میں قیس بن سعد انصاری کو مصر کا حاکم بنایا تھا، انھوں نے اپنی حکمت عملی اور دور اندیشی سے کام لے کر اہل مصر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت لے لی تھی، حضرت امیر معاویہ نے قیس کو اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے، جب دیکھا کہ علی کی وفاداری میں ذرہ برابر فرق نہ آیا تو بدخواہوں نے یہ ہوا اڑا دی کہ قیس در پردہ امیر معاویہ سے ساز باز کر رہے ہیں، اس لیے ان کو مصر کی ریاست سے ہٹا کر محمد بن ابی بکر کو امیر مصر مقرر کر دیا جائے، اس افواہ نے حضرت علی کو بہت متاثر کیا اور غلط فہمیاں بڑھتی گئیں، سیاست کا یہ نقشہ دیکھ کر قیس بن سعد نے مصر کی ولایت سے استعفا دے دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کا تقرر ہو گیا، لیکن حضرت معاویہ کے آدمیوں نے یہاں

---

[۲۴] تاریخ ابن اثیر ج: ۳، اسد الغابہ ج۴، اور خلفائے راشدین سے ماخوذ۔

بھی قصاص عثمان کی دعوت شروع کردی جس سے مصر کے حالات روز بروز خراب ہونے لگے، محمد بن ابی بکر کم سن اور نا تجربہ کار تھے حالات پر قابو نہ پا سکے، امیر معاویہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چھ ہزار کا لشکر مصر بھیجا، محمد بن ابی بکر نے ہمت وجواں مردی سے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی، وہ بھاگ کر روپوش ہو گئے، مگر تلاش کر کے انہیں قتل کر دیا گیا اور لاش جلا دی گئی۔ ۳۸ھ میں مصر پر امیر معاویہ کا قبضہ ہو گیا۔

دیگر علوی علاقوں پر حملے: فتح مصر کے بعد حضرت امیر معاویہ کے حوصلے اور بلند ہوئے، فوجی طاقت مضبوط ہوئی، اس لیے انھوں نے دیگر علاقوں مثلاً حجاز، عراق اور جزیرہ وغیرہ پر حملے کیے، فوجیوں نے لوٹ مار کی، ہر طرف بدامنی پھیل گئی، حضرت علی نے ان کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی جس نے تھوڑے دنوں میں لشکر معاویہ کو ان کے مقبوضہ علاقوں سے نکال دیا۔

امیر معاویہ نے ایک فوجی دستہ بُسْر بن اَبی اَرْطاط کی سرکردگی میں مدینہ بھیجا، یہاں کے علوی والی حضرت ابوایوب انصاری حرم نبوی کا احترام کرتے ہوئے مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ اب راستہ صاف ہو گیا، بشر نے جبراً اہل مدینہ سے امیر معاویہ کی بیعت لی۔ اہل مدینہ کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لیے چند گھروں کو تباہ و برباد کر دیا اور مکہ کی راہ لی، وہاں شورش پیدا کی اور ان سے بھی بیعت لی، اس کے بعد یمن پہنچ کر وہاں بھی مظالم ڈھائے، قتل و غارت گری کے بعد خوف وہراس کا ماحول پیدا کر دیا۔

حضرت علی کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو دو ہزار فوج دے کر روانہ کیا، بشر اس وقت نجران میں تھا، علوی فوج کی خبر پا کر بھاگ نکلا، جاریہ اور وہب مکہ اور مدینہ پہنچے جہاں لوگوں نے نئے سرے سے حضرت علی کی بیعت کی۔ ان دونوں حضرات نے چند دن مدینہ میں قیام کیا پھر کوفہ واپس چلے گئے۔ [۲۵]

اس مسلسل خانہ جنگی اور خوں ریزی سے گھبرا کر حضرت علی اور امیر معاویہ نے ۴۰ھ میں صلح کر لی، اس صلح کی رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علی کے پاس رہا اور شام، مصر اور مغرب کا علاقہ امیر معاویہ کے حصہ میں آیا۔ اس طرح خلافت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

فتوحات: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا دور خلافت خانہ جنگیوں میں گزرا، اندرونی جھگڑوں نے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا، اس کے باوجود

۲۵: تاریخ ابن اثیر، ج:۲، ص: ۷۳۷، ۷۳۸۔ بیروت

سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں ۳۸ھ میں بحری راستہ سے کوکن پر حملہ ہوا۔

شہادت: ۴۰ھ میں حضرت علی کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کی جنگ میں خارجیوں کا کافی نقصان ہوا اس لیے اس گروہ کے تین آدمیوں عبدالرحمٰن بن مُلجَم، بُرَک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ علی اور معاویہ ان میں سے کوئی خلافت کا اہل نہیں، ان دونوں کی وجہ سے خلق خدا مصیبت میں گرفتار ہے، انہیں جب تک ختم نہیں کیا جائے گا، امن وسکون قائم نہیں ہوسکتا، چناں چہ ابن مُلجَم نے حضرت علی کو برک بن عبداللہ نے امیر معاویہ کو اور عمرو بن بکر نے عمرو بن عاص کو قتل کرنے کا ذمہ لیا، طے شدہ پروگرام کے مطابق تینوں نے ایک ہی دن رمضان ۴۰ھ میں فجر کے وقت تینوں حضرات کے اوپر حملہ کر دیا، اتفاقا اس روز عمرو کے بجائے دوسرے شخص نماز پڑھانے آئے تھے اس لیے دھوکے میں وہ قتل کر دیے گئے، امیر معاویہ پر ہلکا وار ہوا، اس لیے وہ دواعلاج سے بچ گئے، ابن مُلجَم نے اپنے ساتھ ایک اور شخص شَبِیْب بن بَجَرَہ کو شریک کار کرلیا تھا، جب حضرت علی فجر کی نماز کے لیے نکلے تو دونوں نے یکبارگی حملہ کر دیا، حملہ اتنا شدید تھا کہ پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر رکی، آپ نے آواز دی لوگ دوڑے شبیب تو بھاگ گیا، ابن ملجم پکڑا گیا، اس دن فجر کی نماز جَعْدَہ بن ھُبَیْرَہ نے پڑھائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم سے مرگیا تو خدا کے حکم مطابق اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کیا جائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں مرگیا تو قاتل کو ایک ضرب کے بدلہ میں ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰؍رمضان المبارک شب یکشنبہ ۴۰ھ کو وصال فرمایا، حضرت امام حسن، امام حسین اور عبداللہ بن جعفر نے غسل دیا، بڑے صاحبزادے امام حسن نے نماز جنازہ پڑھائی اور دارالخلافہ کوفہ میں رات کے وقت آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کی قبر کو اس خوف سے ظاہر نہیں کیا گیا کہ کہیں خارجی جسد مبارک کی بے حرمتی نہ کریں۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر صحیح روایت کے مطابق ترسٹھ سال کی تھی اور مدت خلافت ۴ سال نو مہینے۔ [۲۶]

نظام خلافت: حضرت علی رضی اللہ عنہ سیاسی تدبر اور دانائی میں یکتائے روزگار تھے، اصول حکمرانی سے واقف تھے، صدیق وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں آپ کے مشوروں کو اہمیت حاصل تھی، اس لیے آپ اپنی خلافت کو دین وتقویٰ اور اخلاص کی

۲۶: تاریخ ابن اثیر ج ۳، اسد الغابہ ۴، اور تاریخ الخلفا سے ماخوذ

بنیادوں پر مضبوط کرنا چاہتے تھے، شخصی حکومت کا ذہن بالکل توڑ دینا چاہتے تھے، آپ نے اپنی حکومت صدیق و فاروق کی طرح قرآن و سنت کے اصولوں پر قائم کی۔ آپ نے قیس بن سعد والی مصر کے نام ایک خط تحریر فرمایا جو عمر فاروق کے فرامین کی یاد تازہ کرتا ہے۔

اپنے اور رعیت کے درمیان لمبے چوڑے پردے حائل نہ کرو، حکام کا رعایا سے پردہ کرنا نظر کی تنگی اور علم کی کمی کا ایک شاخسانہ ہے۔ اس پردہ کی وجہ سے ان کو صحیح حالات کا علم نہیں ہوتا، چھوٹی باتیں ان کے لیے بڑی بن جاتی ہیں اور بڑی باتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں، اچھائی ان کے سامنے برائی بن کر آتی ہے اور برائی اچھائی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور حق باطل کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے۔[۲۷]

عُمال کی نگرانی: عمال اور کارندوں کی نگرانی بڑی تن دہی سے فرماتے، اپنے اور بے گانے کا امتیاز نہ رکھتے، کعب بن مالک کو عمال کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تو فرمایا:

تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں گشت کر کے عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر گہری نظر ڈالو۔

منذر بن جارود والی اِصْطَخر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ زیادہ تر اپنا وقت سیر و شکار میں گزارتے ہیں اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں تو ان کو دار الخلافہ بلا کر سخت تنبیہ کی اور منصب سے معزول کر دیا۔

نظم و نسق مکمل چست رکھا، بدعنوانیوں کو رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، عمال اور والیوں سے محاسبہ میں جتنے سخت تھے اسی قدر مفلس اور نادار رعایا کے ساتھ نرم اور رحم دل بھی تھے۔[۲۸]

فوجی نظام: حضرت علی ایک بہادر انسان تھے، جنگی حکمت عملی سے خوب واقف تھے، اس لیے آپ نے اپنے زمانے میں فوجی نظم و نسق کی جانب خاص توجہ کی، اس طرح آپ کا فوجی نظام عہد فاروقی کے نظام کی طرح ہو گیا، سپاہ کی تربیت، نئے قلعوں کی تعمیر، فوجی چھاؤنیوں اور چوکیوں کا قیام سرحدی علاقوں میں اس طرح کیا کہ دشمنوں اور باغیوں کی پیہم یورشوں سے حدود ولایت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی، تمام مجاہدین کی تنخواہوں میں یکسانیت کر دی گئی۔

عدالتی نظام: آپ اصحاب رسول میں ممتاز قاضی تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا قاضی بنایا تھا، صدیق و فاروق کے دور خلافت میں شرعی

۲۷: ابن کثیر ج:۸ص:۸۔ ۲۸: خلفاے راشدین، ص:۴۹۱،۴۹۔

معاملات و مسائل میں آپ کی راے کا احترام کیا جاتا، جب خود خلیفہ ہوئے تو نظام عدالت کو چوکس بنادیا، عدالتوں میں امیر و غریب کا فرق مٹادیا، حق کے ساتھ فیصلے کیے جاتے اور خود عدالت کے فیصلوں کا احترام کرتے۔

ایک بار آپ کی زرہ چوری ہوئی جسے آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھ کر قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، یہودی مدعا علیہ تھا، قاضی شریح نے شریعت کے رو سے امیر المومنین سے ثبوت طلب کیا، حضرت نے امام حسن اور امام حسین کی شہادت پیش کی، جسے قاضی شریح نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ بیٹے کی گواہی باپ کی حق میں اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں مقبول نہیں۔ یہ انصاف دیکھ کر یہودی مسلمان ہو گیا اور اس نے کہا: یہ انبیا جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین مجھے قاضی کے روبرو پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔

اشاعت دین: خلیفہ یا امیر کا بنیادی فریضہ دین حق کی اشاعت ہے، غیروں تک اسلام پہنچانا اور ان کی صحیح رہنمائی امیر المومنین کے لیے ضروری ہے، حضرت علی عہد رسالت ہی سے مذہبی خدمات کے لیے ممتاز تھے، یمن میں اشاعت دین حق ان کا زریں کارنامہ ہے، سورہ براءت نازل ہوئی تو اس کی اشاعت آپ ہی کو سونپی گئی، اپنے دور خلافت میں اگرچہ وہ خانہ جنگیوں میں الجھا دیے گئے مگر دین کی اشاعت سے غافل نہ رہے، ایران اور ارمینیہ میں بعض نو مسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے، حضرت علی نے سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی تو ان میں کے اکثر تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ خارجیوں کو جنگ نہروان میں کیفر کردار تک پہنچایا، یہ آپ کے بڑے دینی کارنامے تھے۔

رعایا کے ساتھ نرمی: ایک امیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوا کرتی ہے کہ رعایا اس کی مہربانی اور انصاف پسندی کی گرویدہ ہو جائے، چناں چہ اس لحاظ سے بھی آپ کا دور ممتاز تھا۔ خفیہ سازشوں کی وجہ سے ایران میں بار بار بغاوتوں نے سر اٹھایا آپ نے جن کی سرکوبی کی اور ساتھ ہی رحم دلی سے بھی کام لیا، ایرانی کاشتکاروں نے دربار خلافت میں درخواست کی کہ ان کی ایک نہر پٹ گئی ہے جس سے وہ آب پاشی کیا کرتے تھے، تو انھوں نے اس علاقہ کے عامل قَرَظَہ بن کعب انصاری کو لکھا:

> تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست بھیجی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ گئی ہے جس کا درست کرنا مسلمانوں کا کام ہے تم اس کو درست کرا کے آباد کرو، خدا کی قسم مجھ کو اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل جائیں یا یہیں رہ کر عاجز و درماندہ رہیں

اور ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہ جائیں۔

ایرانی ذمی آپ کے لطف وکرم سے اس درجہ متاثر تھے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اس عربی سلطنت نے تو نوشیرواں کی یاد تازہ کردی۔ (مسلم کتاب الجہاد)

حاصل کلام: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حکومت کا نظام اسلام کی روحانی طاقت کے محور پر گردش کررہا تھا۔[۲۹]

فضل وکمال: حضرت علی مرتضیٰ خانوادۂ ہاشمی کے ایک لائق، ہونہار اور سعادت مند فرزند تھے، بچوں میں سب سے پہلے قبول اسلام کا شرف آپ کو حاصل تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علی میں چار خصلتیں ہیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتیں، عربی، عجمی مسلمانوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، اور آپ وہ مجاہد ہیں کہ پرچم رسول ہر جنگ میں آپ کے ساتھ رہا اور آپ نے اس دن (جنگ احد میں) صبر واستقامت کا ثبوت دیا جس دن دوسرے فرار ہوگئے اور آپ ہی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا اور قبر انور میں اتارا۔[۳۰]

آپ ان صحابہ میں سے تھے جنہیں لکھنا پڑھنا آتا تھا اس لیے ابتدا ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام انجام دیتے اور کاتبان وحی میں بھی آپ کا شمار تھا۔

قرآن وتفسیر: قرآن کریم شریعت اسلامی اور علوم ومعارف کا سرچشمہ ہے، حضرت علی نے نزول قرآن کے ابتدائی ایام سے آخر تک وحی کی خدمت انجام دی، اس تقرب سے ان کے سینے میں پورا قرآن محفوظ ہوگیا تھا، وہ علوم قرآن کے زبردست عالم بن گئے تھے اس شرف میں چند ہی صحابہ ان کی صف میں نظر آتے ہیں۔

ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تفسیر قرآن سے متعلق جو کچھ سیکھا ہے حضرت علی سے سیکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے قرآن کے بارے میں پوچھو، بخدا کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ دن میں اتری یا رات میں، میدان میں اتری یا پہاڑ پر۔

آپ قرآنی آیات کے ناسخ ومنسوخ کے علم میں کامل درک رکھتے تھے اور اس علم کو بڑی اہمیت دیتے تھے، خلفائے راشدین میں تفسیری روایتیں سب سے زیادہ حضرت علی سے منقول ہیں جس کے چند اہم اسباب یہ تھے:

۲۹: خلفائے راشدین ص: ۴۸۸ تا ۴۹۳ ملخصاً۔ ۳۰: استیعاب ۱۰۹/۳۔

❁ رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی قرب حاصل تھا۔
❁ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔
❁ بعض آیات قرآنیہ کی تفسیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بیان فرماتے تھے۔
❁ عربی زبان وادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔
❁ اجتہاد واستنباط کی قوت کے مالک تھے۔
❁ اسباب نزول سے کامل آگاہی رکھتے تھے۔

علم حدیث: قرآن کے بعد دین وشریعت کی بنیاد حدیث وسنت پر ہے، ظاہر ہے کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب اور خصوصی لگاؤ کی بنا پر حضرت علی احادیث رسول کے بڑے عالموں میں تھے، مگر ان کی مرویات جو کتب احادیث سے ثابت ہیں ان کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے۔

حدیث کے سلسلے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی شخص آپ سے ایسی حدیث بیان کرتا جو آپ کے علم میں نہ ہوتی تو راوی سے قسم لیا کرتے، وہ فرماتے ہیں۔

جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ جتنا نفع دینا چاہتا دیتا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرا مجھ سے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا، جب وہ قسم کھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا۔ ۳۱

احادیث کی کتابت کا شرف جن صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

فقہ واجتہاد اور قضا: حضرت علی فقہ واجتہاد میں تمام صحابہ پر فوقیت رکھتے تھے، فقہ واجتہاد کے لیے کتاب وسنت کے علم کے ساتھ ساتھ زود فہمی اور باریک بینی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کمالات حضرت علی مرتضی کو حاصل تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل تک آپ کا ذہن فوراً پہنچ جاتا۔

حضرت عمر اور حضرت عائشہ کو فقہ واجتہاد میں بلند مقام حاصل تھا، مگر کبھی کبھی ان دونوں کو بھی حضرت علی سے استفادہ کی ضرورت پیش آتی۔ عام صحابہ کے علاوہ حضرت امیر معاویہ نے بھی فقہی احکام ومسائل میں آپ کی جانب رجوع کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے کہ اہل مدینہ میں سب سے زیادہ فرائض کا علم رکھنے والے حضرت علی بن ابی طالب تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر

۳۱: تذکرۃ الحفاظ ج:۱ص:۱۰۔

دعا فرمائی، اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت اور زبان کو استقامت عطا فرما، حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ کو دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔[۳۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اس کی تاثیر نے حضرت علی کو فقہ واجتہاد اور امور قضا میں وہ بلند مقام عطا فرما دیا تھا کہ سرکار نے خود فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بڑے قاضی علی ہیں۔

آپ کے فضل وکمال سے یہ بھی ہے کہ تصوف و معرفت میں آپ امام و مقتدیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تصوف کے اکثر سلسلے آپ تک پہنچتے ہیں۔

تقریر و خطابت میں آپ کو خداداد ملکہ حاصل تھا، مشکل سے مشکل مسائل تقریر میں بڑی آسانی اور خوبصورتی سے بیان فرماتے، خطبات کے وہ حصے جو پند و موعظت پر مبنی ہیں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

علم نحو خاص آپ کی ایجاد ہے، آپ نے حضرت ابوالاسود دئلی کو چند بنیادی قواعد بتا کر حکم کیا کہ اس فن میں اور اضافہ کرو اس طرح آپ اس فن کے موجد ہوئے۔[۳۳]

حلیہ : رنگ گندمی، قد متوسط، آنکھیں بڑی بڑی روشن، چہرہ بارونق وخوبصورت، سینہ چوڑا، اس پر کثرت سے بال، بازو اور سارا جسم گٹھا ہوا، داڑھی گھنی، بازو اور پنڈلیاں پُر گوشت۔

ازواج اور اولاد: آپ کی پہلی شادی بنت رسول حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہوئی، ان کی وفات کے بعد آپ نے متعدد شادیاں کیں اور ان سے اولاد بھی ہوئیں تفصیل یہ ہے۔

۱- فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	اولاد:	حسن، حسین، محسن، ام کلثوم کبریٰ، محسن بچپن میں انتقال کر گئے۔
۲- ام بنین بنت خزام کلابیہ	اولاد	عباس، جعفر، عبداللہ، عثمان یہ چاروں کربلا میں حضرت امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے۔
۳- لیلیٰ بنت مسعود بن خالد	اولاد	عبداللہ، ابوبکر دونوں امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے۔
۴- اسما بنت عمیس	اولاد	محمد اصغر، یحیٰ، معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے۔
۵- امامہ بنت ابی العاص ابن الربیع	اولاد	محمد اوسط
۶- خولہ بنت جعفر حنفیہ	اولاد	محمد بن علی المعروف محمد بن حنفیہ
۷- صہبا بنت ربیعہ (ام ولد) یہ بنو تغلب اسیران جنگ میں قید ہو کر آئی تھیں۔	اولاد	عمر، رقیہ، عمر نے طویل عمر پائی

---

[۳۲]: تہذیب التہذیب ج:۱ص:۲۹۶۔ [۳۳]: تاریخ الخلفا، خلفاے راشدین۔

۸-ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفیہ اولاد ام الحسن، رملہ، ام کلثوم صغریٰ

۹-محیاۃ بنت امرء القیس اولاد ایک بچی پیدا ہوئی جو بچپن میں انتقال کر گئی۔

ان کے علاوہ متعدد کنیزوں سے بھی اولاد ہوئیں۔آپ کے ۱۴ لڑکے اور ۱۷ لڑکیاں تھیں۔امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہ، عباس اور عمر سے سلسلۂ نسب جاری رہا۔[۳۴]

سوالات

(۱) (الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب بیان کرو۔

(ب) خاندانی شرافت پر روشنی ڈالو۔

(ج) آپ کی ولادت کب ہوئی اور پرورش کہاں ہوئی؟

(۲) حضرت علی مرتضیٰ نے کب اسلام قبول کیا، قبول اسلام کا سبب کیا بنا؟ واضح کرو۔

(۳) (الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہجرت کس انداز سے کی؟ بیان کرو۔

(ب) حضرت علی کا نکاح کب ہوا اور کس سے ہوا؟

(۴) (الف) معرکۂ بدر، معرکۂ احد اور غزوۂ احزاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہادری کے کیا جوہر دکھائے اس کی وضاحت کرو۔

(ب) صلح حدیبیہ کے موقع سے عہد نامہ کس نے لکھا اور کس طرح لکھا گیا؟ واضح کرو۔

(ج) ۷ھ اور ۸ھ کے کن غزوات میں آپ نے شرکت کی اور شرکت کس حیثیت سے تھی؟

(د) جنگ تبوک کے موقع سے آپ نے کون سی خدمت انجام دی، یمن کے قاضی کب بنائے گئے، قاضی بننے کے بعد ماحول میں کیا تبدیلی آئی؟

(۵) خلفاے راشدین کے عہد میں حضرت علی اللہ عنہ کا کیا کردار رہا؟

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور درپیش مشکلات پر روشنی ڈالو۔

(۷) نوٹ لکھو (الف) امیر معاویہ کی معزولی۔

(ب) جنگ جمل اور اس کا نتیجہ۔

(۸) (الف) ان واقعات کی تفصیل بیان کرو جو جنگ صفین میں پیش آئے۔

(ب) حضرت ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کی ثالثی اور اس کے نتائج پر روشنی ڈالو۔

(۹) (الف) حضرت امیر معاویہ نے مصر پر کیسے حملہ کیا اور نتیجہ کیا رہا؟

(ب) دیگر علوی علاقوں میں امیر معاویہ کے حملہ کے بعد کیا حالات تھے اور خصوصیت سے مدینہ پر کیا گزری اور دونوں حضرات کے درمیان صلح کیسے ہوئی؟

(۱۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال بیان کرو۔

(۱۱) حضرت علی کے نظام خلافت پر روشنی ڈالو جس میں درج ذیل امور کا لحاظ ہو۔
عمال کی نگرانی، فوجی نظام، عدالتی نظام، رعایا کے ساتھ نرمی۔

(۱۲) حضرت علی کے فضل و کمال، اشاعت دین اور قرآن و تفسیر کی خدمات پر روشنی ڈالو۔

(۱۳) علم حدیث، علم فقہ اور اجتہاد و قضا میں حضرت علی کا مقام متعین کرو۔

(۱۴) (الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حلیہ بیان کرو۔

(ب) حضرت علی کی بیویوں اور اولاد کی تفصیل بیان کرو۔

۳۴: ابن خلدون ج:۴، ص:۳۵۱، ۳۵۲، خلفاے راشدین، ۵۱۵، ۵۱۶۔

خلیفۂ پنجم

حضرت امام حَسَن بن علی رضی اللہ عنہما

نام ونسب : نام حسن، کنیت ابو محمد، لقب سبط رسول اور رَیْحانۃُ الرسول، والد کا نام علی بن ابی طالب، والدہ کا نام فاطمہ بنت رسول (خاتون جنت)

سلسلۂ نسب یہ ہے: حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی ہاشمی۔

ولادت : آپ ۱۵ر رمضان ۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، پیدائش کے ساتویں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی کی اور سر کے بال اتروا کر اس کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حسن پیدا ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا ''حرب'' آپ نے فرمایا نہیں، اس کا نام حسن ہے، جب حسین پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا ''حرب'' آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کا نام حسین رکھا ہے، محسن پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا ''حرب'' آپ نے فرمایا نہیں میں نے اس کا نام مُحسِن رکھا ہے۔

حضرت امام حسن سینے سے لے کر سر تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور امام حسین سینے لے کر پیر تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے۔[1]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تربیت آغوش رسول میں ہوئی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بہت محبت کرتے، کبھی آغوش میں لیتے، کبھی کاندھے پر بیٹھاتے اور کبھی انگلیاں پکڑ کر ساتھ ساتھ چلتے، حضرت حسن نانا جان سے اس قدر مانوس تھے کہ نماز کی حالت میں کبھی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور کبھی حالت رکوع میں پیروں کے درمیان گھس جاتے، سرکار ان طفلانہ شوخیوں کو منع نہ کرتے نہ جھڑکتے بلکہ تبسم فرماتے۔ ابھی آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تھی کہ نانا جان رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس کے چھ ماہ بعد ہی مادر مہربان حضرت خاتون جنت کی آغوش شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔

خلفائے اربعہ کے عہد میں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، ذات رسول سے تعلق کی وجہ سے وہ بھی حضرت حسن سے بہت محبت فرماتے، ایک روز

۱: استیعاب ج:۱ص:۳۶۹۔ علی ہامش الاصابہ۔

صدیق اکبر اور علی مرتضی عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے کہ راستہ میں حضرت حسن کھیل رہے تھے، صدیق اکبر نے بڑی محبت و شفقت سے انہیں اٹھا کر کاندھے پر بیٹھا لیا اور فرمایا: خدا کی قسم یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے، علی کے مشابہ نہیں۔ یہ سن کر حضرت علی ہنسنے لگے۔

صدیق اکبر کے بعد جب حضرت عمر فاروق سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت حسن اور حسین کے ساتھ محبت آمیز اور مشفقانہ برتاؤ رکھا، جب آپ نے بیت المال قائم کیا اور مسلمانوں کے مرتبہ کے لحاظ سے سالانہ وظیفے مقرر کیے تو آپ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے وظیفے اصحاب بدر کے وظیفوں کے برابر رکھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو حضرت حسن پورے جوان ہو چکے تھے، صدیق وفاروق کی طرح آپ نے بھی حضرت حسن کے ساتھ نہایت مشفقانہ سلوک کیا اور حضرت حسن ہمیشہ ان کے اطاعت گزار رہے، حضرت عثمان کے حکم سے حضرت سعید بن العاص نے طبرستان پر لشکر کشی کی تو حضرت حسن بھی نوجوانان قریش کے ساتھ اسلامی لشکر میں شریک ہوئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ جب سبائی تحریک کا فتنہ اٹھا اور بلوائیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علی نے عثمان غنی کی حفاظت کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، آپ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ دروازے پر مستعد رہے اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں زخمی بھی ہوئے۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں نے حضرت علی سے بیعت کرنی چاہی تو حضرت حسن نے دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا۔

''جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں اس وقت تک آپ اسے قبول نہ فرمائیے''

حضرت علی نے جواب دیا، خلیفہ کے انتخاب کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے، ان کی بیعت کے بعد تمام لوگوں پر اطاعت واجب ہے، بیعت کے لیے تمام مسلمانوں کے مشوروں کی ضرورت نہیں اور سریر آرائے خلافت ہو گئے۔

جنگ جمل اور صفین میں والد بزرگوار کے ساتھ رہے اور صفین کے التوائے جنگ کے عہد نامہ پر گواہ کی حیثیت سے آپ نے دستخط کیے۔

خلافت: ابن ملجم کے حملہ سے زخمی ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ تین روز تک زندہ رہے اسی دوران آپ سے حضرت حسن کی جانشینی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: نہ میں حکم دیتا ہوں نہ روکتا ہوں تم لوگ اسے زیادہ سمجھتے ہو۔ گویا آپ نے انتخاب خلیفہ کا اختیار عام مسلمانوں کے حوالے کیا جو ان کا حق تھا، تیسرے دن انتقال کے بعد کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت حسن کے لیے بیعت ہوئی، سب سے پہلے قیس بن سعد انصاری نے بیعت کے

لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور ملحدین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کافی اور تمام شرطوں کو شامل ہے۔

اس کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ میں حضرت حسن بن علی مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے، بیعت عامہ کے دوران حضرت حسن نے خطاب فرمایا:

تم لوگ میرے کہنے کو سنتے رہنا، میری اطاعت کرنا، جس سے میں صلح کروں اس سے تم بھی صلح کرنا اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی اس سے لڑنا۔

لوگوں نے ایسے شخص کو خلیفہ بنایا تھا جو شرف و بزرگی، علم و فضل اور خیر خواہی امت ہر لحاظ سے حکومت الٰہیہ کی سربراہی کے اہل تھے، لیکن امیر معاویہ والی شام نے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی اور عراق کی طرف فوجی پیش قدمی شروع کردی، شامی لشکر کا مقدمۃ الجیش عبیداللہ بن عامر کی قیادت میں عین التمر ہوتا ہوا مدائن پہنچا۔

حضرت حسن کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے قیس بن سعد کی سربراہی میں بارہ ہزار سپاہ پر مشتمل عراقی لشکر مقابلہ کے لیے بھیج دیا اور پیچھے سے خود روانہ ہوئے، دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں، میدان کارزار گرم تھا، حسنی فوج کو زیر کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا گیا کہ اچانک امیر معاویہ کی جانب سے یہ افواہ گرم کردی گئی کہ قیس بن سعد انصاری قتل کردیے گئے جو اس وقت انبار میں شامی فوج سے نبرد آزما تھے اور عراقی لشکر کے سپہ سالار تھے، اس افواہ نے فوج کو تتر بتر کردیا، ہر طرف لوٹ مار مچ گئی، کچھ اوباشوں نے حضرت امام حسن کے خیمے پر حملہ کردیا وہ جس فرش پر بیٹھے تھے اسے گھسیٹ لیا اور آپ کے پیراہن کو چاک کردیا، نیزوں سے جسم کو زخمی کردیا، چوں کہ یہ زخم ہلکے تھے اس لیے آپ شہر مدائن میں داخل ہوگئے اور زخم بھرنے تک یہاں قیام کیا۔

حضرت حسن نے شفایاب ہونے کے بعد عراقی لشکر کو اکٹھا کیا اور عبیداللہ بن عامر کے مقابل ہوئے، ابن عامر نے یہاں یہ چال چلی کہ عراقیوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ میں جنگ نہیں کرنا چاہتا میری حیثیت امیر معاویہ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ شامی فوج لے کر انبار پہنچ چکے ہیں اس لیے حضرت حسن سے میرا اسلام کہہ دو اور میری جانب سے پیغام پہنچا دو کہ برائے کرم وہ جنگ ملتوی کردیں۔

ابن عامر کی جنگی چال کارگر ثابت ہوئی عراقیوں نے یہ بات سنی تو جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیچھے ہٹنے لگے، حضرت حسن نے عراقیوں کی کمزوری محسوس کی تو مدائن لوٹ گئے، ابن عامر نے میدان خالی دیکھ کر مدائن کا محاصرہ کرلیا، عراقی لشکر بزدلی، انتشار اور سستی کا شکار ہوچکا تھا۔

اہل عراق نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا انتخاب اس نیت سے کیا تھا کہ وہ اہل شام سے جنگ کریں گے، لیکن وہ جو چاہتے تھے پورا نہ ہوا اور اس کے ذمہ دار خود اہل عراق تھے کہ وہ خود

جنگ سے پہلو تہی کرتے تھے اپنے ذمہ داروں اور قائدین کی بات نہیں مانتے تھے، اگر وہ سمجھ دار ہوتے تو اس نعمت خداوندی کی قدر کرتے جو انہیں سبطِ رسول کی بیعت سے حاصل ہوئی تھی۔[۲]

حضرت امام حسن نے ماضی کے تلخ تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے یقین کرلیا تھا کہ اہل عراق جنھوں نے ان کے ہاتھ پر بڑے ذوق وشوق کے ساتھ خلافت کی بیعت کی ہے آئندہ کسی محاذ پر خلوص کے ساتھ مدد نہ کرسکیں گے۔ یہ لوگ ہرگز اعتماد کے قابل نہیں اور ساتھ ہی ان کی امن پسند طبیعت اقتدار قائم رہنے کے لیے مسلمانوں کی خوں ریزی ہرگز پسند نہیں کرتی تھی، چناں چہ انہوں نے امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا فیصلہ کرلیا، اوران شرائط پر خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

(۱) کوفہ کے بیت المال کی کل رقم آپ کو دے دی جائے۔

(۲) دَارِ اَبْجِرُد کا خراج آپ کے لیے مخصوص کردیا جائے۔

(۳) حضرت علی کو اس طرح برا بھلا نہ کہا جائے کہ اس کی آواز میرے کانوں تک آئے۔

جب حضرت حسن کا مکتوب امیر معاویہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے تمام شرطیں منظور کرلیں اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر مہر لگائی اور امام حسن کے پاس بھجوادیا، اقرار نامہ مل جانے کے بعد حضرت امام حسن نے قیس بن سعد کو جو انبار میں شامی فوج سے نبرد آزما تھے جنگ بند کرکے مدائن آجانے کا حکم دیا، حضرت حسن کا حکم نامہ قیس کو اس وقت ملا جب عراقی فوج نے داد شجاعت دے کر شامیوں کے چھکے چھڑا دیے تھے اور انہیں دباتے جارہے تھے، صلح کی خبر سے قیس بن سعد کو سخت جھٹکا لگا، انہوں نے لشکر عراقی کو امام حسن کا حکم سنایا اور کہا اب صرف دو صورتیں ہیں یا تو بغیر امام کے جنگ جاری رکھی جائے یا امیر معاویہ کی اطاعت قبول کرلی جائے، قیس کی فوج نے امیر معاویہ کی اطاعت قبول کرلی اور قیس مدائن چلے آئے۔

اب نزاع کا ماحول ختم ہو چکا تھا، حضرت حسن مدائن سے کوفہ چلے آئے چند دنوں بعد امیر معاویہ کوفہ پہنچے جہاں بالمشافہہ شرائط صلح کی زبانی تصدیق ہوئی، شرائط صلح کی تکمیل کے بعد حضرت امام حسن نے منصب خلافت سے دست برداری کا اعلان کردیا۔

خلافت کی سپردگی کا یہ واقعہ ربیع الاول ۴۱ھ میں پیش آیا، اس طرح خلافت کے پورے تیس سال مکمل ہوئے اور سرکار کے اس ارشاد کی تکمیل ہوئی کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر بادشاہت قائم ہوجائے گی۔

خلافت سپرد کرنے کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال اور خانوادہ کے ساتھ کوفہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور بقیہ عمر یہیں جوار رسول میں گزاری، آپ کی مدت خلافت چھ مہینے چند ایام ہے۔

وفات: خلافت سے الگ ہونے کے بعد تقریباً ۹ رسال آپ نے مدینہ منورہ میں پرسکون زندگی

[۲] البدایہ والنہایہ ج:۸، ص:۱۶،۱۷۔ بیروت

گزاری، آپ کی موت کے سلسلے میں یہ مشہور ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا، زہر کھاتے ہی آپ بے حال ہو گئے تو اپنے بھائی امام حسین کو بلایا اور ان سے پورا واقعہ بیان کیا، آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے امام حسین نے کہا قتل کروں گا، فرمایا: اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ دینے والا ہے اور غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ کوئی بے گناہ پکڑا جائے۔

نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی تمنا تھی، امام حسین کو بھیج کر حضرت عائشہ صدیقہ سے اجازت طلب کی اجازت مل گئی، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ روضہ رسول میں تدفین پر فتنے کا اندیشہ ہو تو اختلاف سے بچتے ہوئے مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

ربیع الاول ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں اسی زہر کے اثر سے انتقال ہوا، وفات کے وقت ۴۷ ریا ۴۸ سال کی عمر تھی، روضہ رسول میں تدفین کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، اس لیے وصیت کے مطابق اختلاف سے بچتے ہوئے آپ کو جنت البقیع میں والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

اپنے فضل و کمال اور عمدہ عادات و اطوار کی وجہ سے آپ عوام میں اتنے مقبول تھے کہ آپ کی وفات پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا، حضرت ابو ہریرہ مسجد نبوی میں آہ و فغاں کرتے تھے اور کہتے تھے اے لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔

ازواج واولاد : آپ نے کثرت سے شادیاں کیں، مورخین نے آپ کی بیویوں کی تعداد نوے بتائی ہے جو مبالغہ سے خالی نہیں۔ لیکن اتنا تو مسلم ہے کہ آپ کی زوجیت میں بہت سی عورتیں آئیں اور طلاقیں بھی ہوئیں۔ حضرت علی نے کوفہ میں اعلان کرا دیا تھا کہ حسن کو کوئی اپنی لڑکی نہ دے، لیکن مسلمانوں کو خاندان رسالت سے رشتہ قائم کرنے کا اتنا شوق تھا کہ ان پر حضرت علی کے اعلان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت حسن کے آٹھ لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔

لڑکے: حسن، زید، عمر، قاسم، ابوبکر، عبدالرحمٰن، طلحہ، عبید اللہ۔ لڑکیاں: ام حسن، ام اسحاق۔[۳]

سوالات

(۱) (الف) حضرت امام حسن کا نام، کنیت، لقب اور والد والدہ کا نام بتاؤ۔

(ب) سلسلۂ نسب بیان کرتے ہوئے ولادت کے متعلق اپنی معلومات قلم بند کرو۔

(۲) خلفائے اربعہ کے دور خلافت میں حضرت حسن کی حیثیت متعین کرو۔

(۳) حضرت امام حسن کی خلافت کیسے اور کب عمل میں آئی، خطبۂ خلافت میں آپ نے کیا ہدایت فرمائی؟

(۴) نوٹ لکھو: (الف) امام حسن اور امیر معاویہ کے درمیان جنگ۔

(ب) حضرت حسن کی خلافت سے دست برداری۔

(۵) حضرت حسن کی وفات کے تعلق سے اپنی معلومات پیش کرو۔

(۶) حضرت حسن کی بیویوں اور اولاد کے سلسلہ میں اپنے سبق کا خلاصہ پیش کرو۔

---

[۳] انتخاب از خلفائے راشدین۔

خلیفۂ ششم:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ کا دور حکومت شروع ہوا، بنوامیہ میں بڑے بڑے حکمراں گزرے، عبدالملک بن مروان نے تقریباً ۲۱/سال تک حکومت کی اور اموی سلطنت کی بنیاد مضبوط کی، نیز دوسرے فرماں رواؤں نے بھی ملک کی تعمیر و ترقی میں بڑی مستعدی سے کام کیا، لیکن ان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ایسے عظیم خلیفہ گزرے ہیں جنھوں نے اپنی خلافت کا رشتہ خلفائے راشدین کی خلافت سے ملا دیا، اس لیے علما نے آپ کی خلافت کو خلافت راشدہ کہا ہے اور آپ کا شمار مجددین اسلام میں کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز عبدالملک کے بھتیجے تھے، اگرچہ ان کے زمانے میں خلافت کی جو ترتیب تھی اس کے لحاظ سے وہ اس کے مستحق نہیں تھے، لیکن ان کی دینداری اور وفاشعاری نے انہیں اس کا مستحق بنا دیا، تاریخ اسلام میں ان کا دور خلافت اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اپنے طرز خلافت اور نظام حکومت سے انھوں نے خلافت راشدہ دوبارہ زندہ کردی اور اپنی تمام تر توجہ خلفائے راشدین اور صحابہ کے طریقے کی طرف پھیر دی، یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار خلفائے راشدین کی فہرست میں کیا جاتا ہے۔

نام ونسب: نام عمر، کنیت ابوحفص، باپ کا نام عبدالعزیز بن مروان تھا، ماں کا نام ام عاصم تھا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں، اسی لیے آپ کی رگوں میں فاروقی خون شامل تھا۔

سلسلہ نسب: عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

آپ یزید کے دور حکومت میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ عبدالعزیز کی گورنری کے زمانہ میں مصر میں نشو ونما پائی۔ اس لیے پرورش عیش وعشرت اور ناز ونعم کے گہوارہ میں ہوئی جس کا اثر خلافت ملنے تک باقی رہا۔

تعلیم وتربیت: تعلیم وتربیت بڑے اہتمام کے ساتھ مشہور محدث صالح بن کیسان کی اتالیقی میں ہوئی، صالح بن کیسان نے جس دیانتداری کے ساتھ ان کی نگرانی کی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے نماز میں تاخیر کی، صالح بن کیسان نے وجہ پوچھی تو کہا کہ بال سنوارنے میں دیر ہوگئی، آپ نے فرمایا کہ بالوں کی آرائش کو نماز پر ترجیح دیتے ہو، چناں چہ عبدالعزیز کو اس واقعہ کی خبر دی، انھوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا جس

نے آکر پہلے بال منڈوائے اس کے بعد بات چیت کی، غالباً یہی اثر تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی اولاد کی تعلیم کے لیے انہیں مقرر کیا۔

آپ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کرلیا، عربیت اور شعر وشاعری کی تعلیم حاصل کی۔ حدیث کی روایت تابعین کے علاوہ متعدد صحابہ سے بھی کی، لیکن اس فن میں زیادہ تر عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے استفادہ کیا۔ عمدہ تعلیم وتربیت نے ان کے جوہر کو چمکا دیا تھا۔

ذمہ داریاں اور کارنامے: ۸۶ھ میں ولید بن عبدالملک نے آپ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا، گورنری کے زمانے میں آپ نے خاص طور پر مسجدِ نبوی کی تعمیر نو اور توسیع کرائی اس میں فوارے لگوائے، مدینہ اور اردگرد کے علاقوں میں کنویں کھدوائے اور امیر الحجاج کی خدمت انجام دی، آپ نے بڑی شان اور دیانتداری کے ساتھ گورنری کی، ۹۳ھ میں انھیں اس عہدہ سے معزول کردیا گیا۔

۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک کی وصیت کے مطابق انہیں خلیفہ بنادیا گیا، خلافت کا بار سنبھالنے کے بعد ان کی زندگی کا نقشہ بدل گیا، انھوں نے اپنے نانا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم کو اپنایا اور عدل وانصاف کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ ملک میں ایک بار پھر خلافت راشدہ کی سی باد بہاری چل پڑی۔

خلیفہ بننے کے بعد جب داروغۂ اصطبل شاہی سواری کا گھوڑا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سوار ہونے سے انکار کردیا اور فرمایا: میرے لیے وہی میرا خچر لے آؤ وہی کافی ہے، ایک مرتبہ شاہی اصطبل کا نگراں حاضر ہوا اور گھوڑوں کے دانے گھاس کا خرچ طلب کیا تو آپ نے فرمایا ان گھوڑوں کو شام کے مختلف علاقوں میں لے جاکر بیچ دو اور رقم بیت المال میں جمع کردو، میرے لیے یہ شہبا خچر ہی کافی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ خلافت میں نہ کوئی قابل ذکر معرکہ پیش آیا اور نہ فتوحات کے ذریعہ ملک میں وسعت پیدا ہوئی، تاہم آپ کا عہد تاریخ اسلام کا ایک بہترین اور امن پسند دور تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں بگڑے ہوئے ماحول کی اصلاحات پر خاص توجہ دی۔

انسان تو انسان جانوروں نے بھی ان کے دور خلافت میں اپنا طرز عمل بدل دیا، حسن بن قصاب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں بھیڑیوں کو بکریوں کے ساتھ چرتے ہوئے دیکھا ہے، اس وقت مجھے سخت تعجب ہوا اور میں نے کہا سبحان اللہ بھیڑیا

بکریوں میں اور پھر بکریاں نقصان سے محفوظ ہیں۔ یہ سن کر گلہ بان نے کہا کہ جب سر اصلاح پر ہوتا ہے تو پورا جسم صحیح رہتا ہے بدن کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔

غصب شدہ جاگیروں کی واپسی: شاہی خاندان کے افراد بڑی بڑی جائدادوں کے مالک بنے بیٹھے تھے، آپ نے عہد کرلیا کہ ہمارے باپ دادا نے جو دوسروں کی جائدادوں پر زبردستی تصرف کر رکھا ہے میں جب تک انہیں واپس نہیں کرلوں گا سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔ اس سلسلے میں آپ نے ایک روز اپنے بیٹے سے رائے لی، بیٹے نے کہا کہ آپ کا ارادہ نیک ہے اس میں جلدی کیجیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تم میری رائے سے متفق ہو تو آئندہ جمعہ کو مسجد میں اعلان کرادیا جائے، اس پر نیک دل بیٹے نے کہا امیر المومنین! اس مختصر زندگی کا کیا اعتبار کہ جمعہ تک وفا کرے، اس لیے نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بیٹے کی اس رائے پر بہت خوش ہوئے اور اسی وقت جاکر اعلان کردیا: جس کا مال میرے باپ دادا نے غصب کرلیا تھا وہ مجھ سے آکر واپس لے لے۔ اس پر بعض خیر خواہوں نے کہا امیر المومنین! اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو پھر آپ کی اولاد کا کیا ہوگا، آپ نے فرمایا: اللہ ان کا انتظام فرمائے گا۔ اس کے بعد بنوامیہ سے کہا کہ وہ بھی غصب شدہ چیزیں ان کے مستحقین کو واپس کردیں، مگر وہ اتنی آسانی سے کب ماننے والے تھے، وہ اکڑ گئے اور کہا کہ جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہیں ہوجائیں گے ہم یہ جاگیریں واپس نہیں کرسکتے، اس مغرورانہ جواب پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: خدا کی قسم: اگر تم ایسا نہیں کروگے تو میں تمہیں ذلیل وخوار کرکے چھوڑوں گا، اس پر وہ خوف زدہ ہوئے اور جائدادیں واپس کرنا شروع کردیں، اور انہوں نے خود اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کا زیور تک اترواکر بیت المال میں جمع کردیا، ایسے ہی باغ فدک کا معاملہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آمدنی اپنی اور بنوہاشم کی ضروریات پر خرچ کرتے، ایک مرتبہ حضرت فاطمہ نے اسے آپ سے مانگا تھا، لیکن آپ نے نہیں دیا، اس لیے خلفائے راشدین نے بھی اس کو اپنے انتظام میں رکھا، مگر مروان نے اپنے دور حکومت میں اسے اپنی جاگیر بنالیا اس لیے وہ عمر بن عبدالعزیز کے تصرف میں آیا۔ چناں چہ انھوں نے تحقیق کرکے اسے اس کی حالت پر لوٹا دیا، اور گورنروں کو ہدایت دی کہ غصب شدہ مال ان کے مالکوں کو سختی سے واپس کرائے جائیں۔

حضرت علی پر تبرا: خلفائے بنوامیہ کا دستور تھا کہ وہ اپنے خطبوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے، آپ نے خلافت سنبھالتے ہی سختی سے اس کی ممانعت کی اور

اپنے عمال کو لکھا کہ کسی بھی صوبے میں ایسا نہ ہونے پائے اور جو خلاف شان الفاظ کہے جاتے ہیں ان کی جگہ یہ پڑھا جائے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وِ إِيْتَآئُ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ. [۴]

بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا، اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے، تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔ (کنز الایمان)

چناں چہ خطبہ میں اس وقت سے آج تک یہ کلمات پڑھے جاتے ہیں۔

احیاے شریعت: مسند خلافت سنبھالنے کے بعد آپ نے بنو امیہ کی آزاد اور دنیاوی حکومت کو خالص مذہبی اور اسلامی حکومت میں تبدیل کر دیا، شریعتِ اسلامیہ کی بھرپور اشاعت کی، بدعتوں کو ختم کیا اور صحیح اسلامی قانون کے نفاذ میں لگ گئے، اور اعمال وعقائد کے تحفظ کو اپنی زندگی کا اصلی مقصد اور اپنے دور خلافت کا طغراے امتیاز قرار دیا، چناں چہ عدی بن عدی کے نام آپ نے ایک فرمان لکھا جس میں اس کی یوں وضاحت فرمائی۔

ایمان چند فرائض، چند احکام اور چند سنتوں کا نام ہے، جس شخص نے ان تمام اجزا کی تکمیل کی اس نے ایمان کو مکمل کر لیا اور جس نے ان کو مکمل نہیں کیا اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا، میں اگر زندہ رہا تو ان تمام اجزا کو تمہارے سامنے بیان کر دوں گا تا کہ تم لوگ ان پر عمل کرو اور اگر مر گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں۔

اموی حکام نبیذ پینے کے بہانے شراب نوشی کرنے لگے، آپ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی اس کے علاوہ اور بہت سی غلط رسوم کو بند کرا دیا تا کہ معاشرہ سے برائیاں دور ہوں اور اچھائیوں کا رواج ہو۔

اشاعت دین کے لیے آپ نے مقبوضہ علاقوں میں مبلغین بھیجے جنھوں نے وہاں جا کر لوگوں کو اسلام کی تعلیم دی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک کثیر تعداد ان کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہوئی۔

فرائض خلافت: وہ جس پابندی سے مذہبی کام انجام دیتے اسی شوق کے ساتھ خلافت کے فرائض بھی ادا کرتے، ان کی مصروفیت کو دیکھ کر بعض حضرات ان پر ترس کھاتے اور انہیں آرام کا مشورہ دیتے، لیکن ان پر ان گزارشوں کا کوئی اثر نہ پڑتا، عام معمول تھا کہ دن بھر رعایا کے معاملات اور مقدمات کے فیصلہ میں مشغول رہتے، عشا کے بعد

بھی یہی مصروفیت رہتی، اس کے بعد امور خلافت کے تعلق سے اہل رائے سے مشورہ لیتے، پھر بقیہ اوقات عبادت اور آرام میں گزارتے، اس طرح آپ روز کا کام روز انجام دیتے۔

ان کے زمانے میں رعایا بہت زیادہ خوش تھی اس کا سبب یہ تھا کہ آپ نے بیت المال کا دروازہ تمام قوم کے لیے کھول دیا تھا اور اس سے امیر غریب یکساں طور پر فائدہ اٹھاتے، ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو رَقّہ میں مال تقسیم کرنے کے لیے بھیجا اس نے کہا آپ مجھے ایسی جگہ بھیجتے ہیں جہاں میں کسی کو نہیں پہچانتا، حالانکہ ان میں امیر و غریب ہر قسم کے لوگ ہیں، آپ نے کہا جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسے دو، ملک میں جتنے اپاہج تھے سب کا نام رجسٹر میں درج کرایا اور ان کے وظیفے مقرر کیے۔

وفات: حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات اور انصاف پسندی کی وجہ سے بنو امیہ کے امرا بہت خلاف تھے وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جب تک ان کا وجود باقی رہے گا ہماری ایک نہ چلے گی، چناں چہ ان کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا۔ ۲۰/دن بیمار رہ کر ۲۵/رجب ۱۰۱ھ بروز چہار شنبہ ۳۹/سال ۶/ماہ کی عمر میں انتقال کیا، دَیْرِ سِمْعَان میں دفن کیے گئے، مدت خلافت ۲/سال ۵/مہینے تھی۔

وفات کے سلسلہ میں متعدد واقعات بیان کیے جاتے ہیں، ایک واقعہ ان کی بیوی فاطمہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کے یہاں سے چلی جاؤں آپ سوتے نہیں ہیں شاید آپ کو نیند آ جائے یہ کہہ کر میں دوسرے کمرے میں چلی گئی، وہاں میں نے سنا کہ بار بار آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے ہیں۔

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرۃُ نجعَلُھا لِلَّذینَ لا یُریدونَ عُلُواً فی الارضِ ولا فساداً. والعاقِبۃُ للمُتَّقین. [۵]

یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے۔ (کنز الایمان)

اس کے بعد گردن جھکا لی اور دیر تک مجھے کسی قسم کی حرکت محسوس نہیں ہوئی، خادمہ تیمارداری کرتی تھی میں نے اس سے کہا جا کر دیکھ تو کیا معاملہ ہے اس نے جا کر دیکھا تو زور سے چلائی، میں نے جا کر دیکھا تو ان کو مردہ پایا، رخ قبلہ کی طرف تھا، ایک ہاتھ منہ پر اور دوسرا آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے۔

۵: ۲۰۔۲۸۔قصص۔

ازواج واولاد: آپ کی چار بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئیں تفصیل یہ ہے:

(۱) لمیس بنت علی (۲) ام عثمان بنت شعیب بن زیان۔ (۳) فاطمہ بنت عبدالملک بن مروان۔ (۴) ام ولید (کنیز) لمیس سے عبداللہ، بکر اور ام عمار پیدا ہوئے، ام عثمان سے صرف ایک صاحبزادے ابراہیم تھے، فاطمہ کے بطن سے اسحاق، یعقوب اور موسیٰ پیدا ہوئے اور کنیز سے جو اولاد ہوئیں یہ ہیں، عبدالملک، ولید، عاصم، یزید، عبداللہ، عبدالعزیز، ریان اور دو لڑکیاں امینہ اور ام عبداللہ۔ اس طرح آپ کے لڑکوں اور لڑکیوں کی کل تعداد سولہ تھی۔[۶]

سوالات

(۱) (الف) حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام ونسب بیان کرو۔

(ب) آپ کی تعلیم وتربیت پر روشنی ڈالو۔

(۲) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ذمہ داریاں اور کارنامے بیان کرو۔

(۳) (الف) غصب شدہ جاگیروں کی واپسی آپ نے کس انداز سے کرائی؟

(ب) حضرت علی پر تبرا کو کیسے روکا؟

(۴) آپ کے احیاے شریعت اور فرائض خلافت پر روشنی ڈالو۔

(۵) (الف) آپ کی وفات، مدفن اور مدت خلافت پر مختصر روشنی ڈالو۔

(ب) ازدواج واولاد کی تفصیل لکھو۔

---

[۵] ۱۴/۹۰. النحل. [۶] انتخاب از تذکرہ الحفاظ، تاریخ الخلفا۔

اشخاص، مقامات اور قبائل کے اسما کا صحیح تلفظ دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے معتبر مآخذ سے رجوع کر کے حرکات لگا کر صحیح تلفظ کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

مآخذ: (۱) الکامل فی التاریخ از: ابن اثیر (محقق نسخہ) (۲) لسان العرب از: ابن منظور (۳) معجم اللغۃ از: احمد بن فارس حموی (۴) معجم ما استعجم از: عبداللہ بن عبدالعزیز اندلسی (۵) معجم البلدان از: یاقوت حموی (۶) معجم قبائل العرب از: عمر رضا کحالہ (۷) المنجد از: لویس معلوف (۸) غیاث اللغات از: مولوی غیاث الدین۔

اشخاص

آزَرمِیدُخت
ابن قَمَئَه
اَبُو البُختَری
اَبُو عُبَیدَه
اَبُوقُحَافَه
اَبُو مِحْجَنْ
اَبُو مُعَیط
اَبُو مُوسیٰ اَشعَرِی
اَبِیْ زُهَیر
اَحْنَفُ بِن قَیسُ
اَروَی بنت کُرَیْز (والدہ حضرت عثمان غنی)
اُرَیقِطُ
اَزْوَرُ
اُشتر نخعی
اَسوَدُ عَنسِی
اَشعَبُ بِن قَیس
اُمِّ بَنِین (زوجہ حضرت عثمان غنی)
اُمِّ حَکَمْ بَیضَا بنت عَبدُ المُطَّلِب (حضرت عثمان غنی کی نانی)

اُمِّ عَاصِم (عمر بن عبدالعزیز کی والدہ)
اُمِّ عَبدُ الله کَلبِیَه (زوجہ حبیب بن مسلمہ)
اُمَیَّه
اَنْدَرْ زَغَرّ
بَرَاء بن مَالِك
بُرَكُ بن عَبد الله
بُسْرُ بن اَرْطَاط
بَشِیر بن خَصَاصِیَه
بهْمَنْ جَاذُوَیه
پُورَانُ
تَذَارِقُ
جَابَان
جارِیَه بن قُدَامَه
جَالِینُوس
جَرْجَه بن تَذَارِقُ
جَعْدَه بن هُبَیْرَه
جَمَال بن مَالِك

حَارِث
حَبِیب بن مَسلَمَه فِهرِی
حَکِیم بن جبَلَه
خَالِدُ بن عَرُفَطَه
خُوَیلِد
دَاذُوَیه
دُرَاقِص
دُغُنَّه
رَبِیعَه
رُستَم بن فَرُّخ زَاد
رَهب بن مَسعُود
زُبَیر بن عَوَّامُ
سَجَّاحُ بِنت حَارِث
سُرَاقَه بن جُعْشُمُ
سَلْمَانُ بن رَبِیعَه بَاهِلِی
سَلَمَه بن مُخَلَّد
سَلِیط بن قَیس
سُودَان بن حَمْرَان

شَبَث بن رِبْعِی تَیْمِی	غَافِقِی	موریان
شَبِیب بن بَجْرَہ	فجراہ بن ثور	مَهْجَع
شُرَحْبِیل	فِیرُوز	مِهْرَان بن مَهْرُوَیه
شَهْرِیْرَان بن اَرْدُشِیر	قارن	مُهَیْرہ
شَیْبَہ	قُتَیْرَہ	نائلہ بنت فَرافصہ
صَالح بن کَیْسَان	قُرَشِی	(زوجہ حضرت عثمان غنی)
(حضرت عمر بن عبدالعزیز کے استاذ)	قَرَظَه بن کَعْب انصاری	نَذِیْرَہ
صَخْر	قعقاع بن عمرو	نَرسی
صَلْت	قَیْس	نُعْمَان بن مُقَرِّن
ضِرَار	قِیقَار بن نسطورن/نسطوس	نُعَیْم
طُلَیْحَه اَسَدِی	گری گوری (جرجیر)	نُفَیْل
عُبَادَہ بن صَامِتُ	لُؤَی	نَوشِیروان
عَبْدُ الرَّحْمٰن بن مُلْجِم	مُثَنّٰی	نَوفَل
عِتبَان	مُجَاشِع بن سُلَیْم	نَهْدِیَّه
عَدِی بن حَاتِم طَائِی	مَحْمِیه بن زُنَیْم	وَقَّاص
عُرْوَہ	مَرْثَد	وَلِیْد بن عُقْبَہ/ عُتْبَہ
عُقْبَہ	مَرْدَان شَاہ	هِرَقْل
عِکْرَمَه	مُرَّہ	هُرْمُز
حَمِق	مُسَیْلَمَه کَذَّاب	هُرْمُز جَاذَوَیه
عَمْرو (واو پڑھنے میں نہیں آئے گا،	مُصْعَب بن عُمَیْر	هُرْمُزَان
پڑھنے کی شکل یوں ہوگی "عمر"	مَطَربن فِضَّه تمیمی	هِشَام
عَوَّام	مُعَنّٰی بن حَارِثَه	هلال بن عُلَفَه
عَوف	مُغِیْرَہ بن شُعْبَه	یَزْد گِرد یَزْد جِرْد
عَیْهَلَه	مقداد بن عُمَر	
عُیَیْنَه فَزَارِی	مُقَوقس	

مقامات و قبائل

اَبِیْوَرْد
اُجُم
اُحُد
اَذْرَبِیْجَان
اُرْدُن
اَرْغِیَان
اِرْمِیْنِیَه
اَسْفَرَایِیْن
اِسْکَنْدَرِیَّه
اَعْوَص
اَغْوَاث
اُفْرِیْقه
اَلْجَزِیْرَه
الجیریا
اَلِّیْس
اُم دُنَیْن
اَمْغِیْشَیَا
اَنْبَار
اَهْوَاز
بَابِل
بابلس
بَاقُسْیَاثَا
بَدْر
بَرْقَه
بِرَکُ الغِمَاد

بُزَاخَه
بُسْت
بِلْبِیْس/بِلْبَیْس
بَلْقَاء
بنو اَسَد
بنو بَکْر
بنو تَیْم
بنو جَدِیْلَه
بنو خُزاعَه
بنو سَالم
بنو طَی
بنو عَدْوَان
بنو عَذْرَه
بنو مجره /مَجَرَیٰ
بنو مُدْلج
بنو نَضِیْر
بنو یَرْبُوع
بُوَیْت
بِئر رُومَه
تَبُوْک
تُسْتَر
تَیماء
تیونس
ثَقِیف
ثَمْغ

جَبَلِ ثَوْر
جرون
جُرَیْن
جَلُوْلَاء
جَنَّتُ البَقِیْع
حَبْشَه
حُدَیْبِیَه
حَرُوْرَاء
حَرَّه
حَشِّ کَوْکَب
حُصَیْد/حَصِید
حُلْوَان
حِمْص
حِیْرَه
خُرَاسَان
خَفَّان
خَواف
خُوزِسْتَان
دارِ اَبْجِرُد
دِجْله
دِمَشْق
دُوْمَةُ الجَنْدَل
دَیْرِ سِمْعَان
ذُو الحُلَیْفَه
ذُو القَصَّه

ذو المروہ
ذو خشب
ذی قار
رَامَهُرمُز
رَقّہ
رَے
زَابُلِستَان– کابُل
سُبَيْطِلَہ
سَرُخَس
سَرِف
سَقَاطِيَہ
سَقِيفَہ بنی سَاعِدہ
سُنُح
سَوَاد
سُوس
سِيُستان/سِجِسْتَان
شام (سیریا)
شَرَاف
صَنْعَاء
طَبَرِسْتَان
طَبَرِيَّہ
طَخَارِسْتَان
طَرَابُلُس
طَنْجَہ
طُوس
عَرى
عَرِيُش

عَقْرَبَاء
عَمَوَاس
عَنس
عَيْنُ التَّمَر
غَزَّہ
غَطَفَان
فِحل
فُرَات
فِرَاض
فَرَمَا
فُسُطَاط
فِلَسْطِيْن
قَادِسِيَّہ
قَارَہ
قَالِيُقَلا
قُبَا
قُبُرُس/قُبْرُص
قبیلہ بنی دُئِل
قبیلہ بنی مُصْطَلِقُ
قبیلہ مُذْحِجُ
قبیلہ وَائِل
قبیلۂ غَسَّان
قُسْطَنْطِيْنِيَّہ/قُسْطَنْطِيْنَہ
قُسِّ نَاطِف
قَمُوص
كَاظِمَہ
كِرْمَان

كِرُيُون
كَسُكَر
لُدّ
مَدَائن
مَذَار
مراقس
مَرْجُ الصُّفَر
مَرُوَجَہ
مُصَيَّخ
مَنَاذِر
نَجْرَان
نَسَا
نَمَارِق
نِهَاوَنُد
نهر عَتِيق
نَهْرِ كَازَرُوُن
نَهْرِتِيْرِى
نِهَرُوَان
نَيُسَاپور
وَاقُوْصَہ
وَلَجَہ
هَرَات
هَوَازِن
هِيُت
يَافَا
يَرْمُوك
يَمَامَہ

توضیح اصطلاحات

اصطلاح	توضیح
باج گزار	محصول دینے والا، ٹیکس ادا کرنے والا۔
بَربَر	ایک قوم۔
بِطْرِیق	رومیوں کی فوج کا ایک عہدہ دار۔
جزْیَہ	خراج، وہ ٹیکس جو غیر مذہب والوں پر لگایا جائے۔
جَیْشِ عُسْرَہ	وہ لشکر اسلام جو غزوۂ تبوک کے موقع پر قحط سالی اور تنگی کے زمانہ میں رومیوں کے مقابلہ میں ترتیب دیا گیا۔
خاقان	زمانۂ قدیم میں چین اور ترکستان کے بادشاہ کا لقب تھا۔
خُوْد	(بہ واو معروف بروزن زُود) لوہے کی ٹوپی جو جنگ کے وقت استعمال کی جاتی ہے۔
دِرَفْشِ کَاوِیَان	(بہ کسر اول و فتح دوم و سکون سوم) جھنڈا، علم جو لڑائیوں میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ گاوہ: بہ کاف فارسی، ایک مشہور لوہار کا نام جو گاؤزور، پرقوت تھا، اس لوہار نے اپنی چرمی دھونکنی سے جھنڈا بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہان عجم جس لڑائی میں اس جھنڈے کو ہمراہ لے جاتے ضرور فتح پاتے۔
دِیَتْ	خوں بہا، وہ روپیہ جو خون کے عوض لیا دیا جاتا ہے۔
ذِمِّی	غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں رہے اور جزیہ ادا کرے۔
زِرَہ پُوش لشکر	(بہ واو مجہول) فولاد کا تیار جنگی لباس پہنا ہوا لشکر۔
سَارُبَان	شتربان، اونٹ ہانکنے والا۔
سَبَائی	عبداللہ بن سبا یہودی کے ہم نوا۔
سِبْطِ رسول	یہاں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ بیٹے اور بیٹی کی اولاد کو سبط کہتے ہیں۔ امام حسن اور امام حسین کو ایک ساتھ "سبطین" کہتے ہیں۔
سِپَہ گری	سپاہی کا کام یا پیشہ۔
سِفَارَتْ	عہدۂ سفیر یا فرائض سفیر۔ ایک حکومت یا ملک کی طرف سے دوسری حکومت یا ملک کے پاس نمائندہ یا پیامی بن کر جانا۔
شَبْ خُوْن	رات کے وقت بے خبری میں دشمن پر حملہ کرنا۔
عِرَاقِ عَجَم	اس حصہ میں وہ شہر شامل ہیں جو دریائے جیحون کے کنارے پر واقع ہیں خراسان اور اصفہان اسی میں داخل ہیں۔
عِرَاقِ عَرَب	عراق کا وہ حصہ جو دریائے دجلہ اور فرات کے کناروں پر واقع ہے، جس میں بغداد بھی شامل ہے۔

اصطلاح	توضیح
عقاب	قریش کا قومی پرچم۔
فَارس	ایران کا پرانا نام۔
قِبْطِی	نوح علیہ السلام کے پوتے "قبط" کی اولاد، یہی لوگ فرعون مصر کی رعایا تھے۔
قِصَاص	مقتول کے عوض قاتل کو قتل کرنا۔
قَلْبِ لشکر	فوج کا درمیانی دستہ جس میں بادشاہ رہتا ہے۔
قَیْصَر	روم کے بادشاہ کا لقب۔
کِسْریٰ	ایران کے بادشاہ کا لقب۔
کُمُک	اعانت اور مدد جنگ میں ہو یا کاروبار میں۔
لَیْت ولَعَل	کسی کام میں ڈھیل کرنا اور امروز وفردا کہہ کر ٹالنا۔ ٹال مٹول۔
مُبَارِز	مقابلہ پر چڑھ کر لڑنے والا۔
مَذْهَبِ جُمْهُور	اکثر علما کا نظریہ اور رائے۔
مُقَدِّمَةُ الْجَیْش	وہ لشکر جو آگے بھیج دیا جائے، ہراول دستہ۔
مَنَاسِکِ حَجّ	حج کے ارکان۔
مَنْسُوْخ	ترک کیا گیا، رد کیا گیا۔
مَیْسَرَه	وہ فوج جو لڑائی کے وقت امیر کے بائیں رہتی ہے۔
مَیْمَنَه	وہ فوج جو لڑائی کے وقت امیر کے داہنے رہتی ہے۔
نَاسِخ	مٹانے والا، منسوخ کرنے والا۔
نَاقُوْس	سنکھ جو ہندو پوجا کے وقت بجاتے ہیں۔ بڑا گھنٹہ جو گھنٹہ گھر میں عبادت کے وقت بجتا ہے۔
وَصِیّ	وہ شخص جس کو وصیت کی گئی ہو۔
هِرَاوُل	وہ دستۂ فوج جو کل لشکر کے آگے ہو۔

ماخذ

	مراجع	مصنف	وفات	ناشر
۱	قرآن مجید			مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
۲	السیرۃ النبویہ	امام محمد بن عبد الملک بن ہشام	۲۱۳ھ/۲۱۸ھ	مصر
۳	صحیح البخاری	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری	۲۵۶ھ	رضا اکیڈمی ممبئی
۴	سنن ابی داؤد	امام سلیمان بن اشعث سجستانی (ابوداؤد)	۲۵۷ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت
۵	صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج نیشاپوری	۲۶۱ھ	رضا اکیڈمی ممبئی
۶	فتوح البلدان	علامہ ابوالحسن بلاذری	۲۷۹ھ	مکتبۃ الہلال
۷	الطبقات الکبریٰ	امام محمد بن سعد زہری	۲۹۷ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت
۸	جامع ترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۹۷ھ	مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
۹	تاریخ الامم والملوک	علامہ محمد بن جریر طبری	۳۱۰ھ	دار الفکر بیروت
۱۰	مروج الذہب	علامہ علی بن حسین مسعودی	۳۴۸ھ	دار الاندلس بیروت
۱۱	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	علامہ ابن عبد البر نمری قرطبی	۴۶۳ھ	مکتبۃ المثنیٰ بغداد
۱۲	صفۃ الصفوۃ	امام جمال الدین ابن الجوزی	۵۹۷ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۳	معجم البلدان	شیخ شہاب الدین ابو عبد اللہ حموی بغدادی	۶۲۶ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۴	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	امام ابو الحسن علی بن محمد جزری	۶۳۰ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵	الکامل فی التاریخ	علامہ علی بن ابی الکرم شیبانی (ابن اثیر)	۶۳۰ھ	دار الکتاب العربی بیروت
۱۶	البدایہ والنہایہ	علامہ اسماعیل بن عمر دمشقی (ابن کثیر)	۷۷۴ھ	دار الفکر بیروت
۱۷	تذکرۃ الحفاظ	امام شمس الدین محمد بن احمد عثمان ذہبی	۷۴۸ھ	دار الکتب العلمیہ
۱۸	تاریخ ابن خلدون	عبد الرحمن محمد بن خلدون مغربی	۸۰۸ھ	بیروت
۱۹	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۰	تہذیب التہذیب	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	دار الفکر بیروت
۲۱	تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ	شرکۃ دار الارقم بیروت
۲۲	المواہب اللدنیہ	امام احمد بن محمد عسقلانی	۹۲۳ھ	برکات رضا گجرات
۲۳	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ	برکات رضا گجرات
۲۴	زرقانی علی المواہب	علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی	۱۱۲۲ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۵	کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	امام احمد رضا حنفی بریلوی	۱۳۴۰ھ	مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
۲۶	سیرت المصطفیٰ	مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی	۱۴۰۶ھ	مکتبہ نعیمیہ دہلی
۲۷	معجم قبائل العرب	عمر رضا کحالہ		مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۲۸	المنجد فی الاعلام	لویس معلوف		المکتبۃ الشرقیہ بیروت
۲۹	خلفاے راشدین	مولانا محمد عاصم اعظمی		فاروقیہ بکڈپو دہلی

Team of Misbahi Library

Names	Contact N
Md Khubaib Raza Misbahi	9984903158
Md Asjad Raza Misbahi	8948518993
Md Ahmad Ali Misbahi	9920278913
Md Abdur Rahman Misbahi	8009186120

Creator :

Md Saif Khan Misbahi
8081414883

Date

22-10-2019 / 22-02-1441